دینِ اسلام کے مسائل
قاری محمد عباس نظامی

سیرت حلبی جلد اول صـ ۹۹ میں ہے۔ کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی خدا ندا کریگا۔ اے محمد کھڑے ہو کر جنت میں بغیر حساب داخل ہو جاؤ۔ تو ہر شخص کھڑا ہو جائیگا جس کا نام محمد ہے یہ خیال کر کے کہ بلاوا میرے لئے تھا پس محمد ص کی بزرگی کے پیش نظر ان کو روکا نہیں جائیگا۔

نور الحبیب صـ ۲۸ جمادی الآخر ۲۰ء اکتوبر ۱۹۹۹

جلد ۱۱ شمارہ ۹

Abbas

۳-۳-۲۰۰۸
۲۵-۲-۱۴۲۹ بروز منگل
PM: ۱۲ : ۱۳ : ۴۰

-۵-

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم سخت دھوپ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء
میں نماز پڑھتے تھے۔ اگر ہم میں سے کسی شخص کے لئے اپنی پیشانی کو سجدہ گاہ پر رکھنا دشوار ہوتا۔
تو وہ اپنا کپڑا بچھا کر اس پر سجدہ کر لیتا۔

نمازی کا اپنے فاضل کپڑے پر سجدہ کرنا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بیان ہے۔ کہ گرمی کی شدت
سے صحابہ اپنے کپڑے (قمیض کا دامن آستین یا عمامہ کا بل) پر سجدہ کر لیتے تھے۔ امام شافعی
کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ زمین پر نمازی کے پہنے ہوئے کپڑوں کے علاوہ کوئی کپڑا
ہو تو وہ اس پر سجدہ کرے۔ ۱؎ امام مالک کے نزدیک نمازی کا اپنے کپڑے پر سجدہ کرنا مکروہ ہے
۲؎ امام احمد بن حنبل کے نزدیک نمازی کا اپنے کپڑے پر سجدہ کرنا ایک روایت میں جائز ہے۔ اور ایک
روایت میں ممنوع ہے۔ ۳؎ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک گرمی کی وجہ سے نمازی کا اپنے کپڑے
پر سجدہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ امام اعظم کی دلیل حضرت انس کی حدیث ہے۔ جو باقی
تمام ائمہ پر حجت ہے۔ ۴؎ (کتاب المساجد) شرح صحیح مسلم ص ۲۴۳/۲

۱؎ علامہ یحییٰ بن شرف نواوی شافعی متوفی ۶۷۶ھ شرح مسلم للنواوی ص ۲۲۵/۱
۲؎ علامہ ابو عبد اللہ وشتانی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اکمال اکمال المعلم ص ۳۰۶/۲
۳؎ علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ مغنی ابن قدامہ ص ۳۰۵/۱
۴؎ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر حنفی متوفی ۵۹۳ھ ہدایہ مع فتح القدیر ص ۲۶۵/۱

تقریر اچھی طرح خوب سوچ سمجھ کر کریں۔ کوئی مختلف فیہ یا متنازعہ مسئلہ ایسے رنگ میں
بیان نہ کریں کہ جو جھگڑے اور فساد کا سبب بنے۔

فرمان فقیہ اعظم رحمۃ اللہ
نور الحبیب ص ۹۳

رجب ۱۴۲۱ - اکتوبر ۲۰۰۰ء

۱۔ عمامہ پر سجدہ

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الثَّوْبِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ (بخاری) باب گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے پر سجدہ کرنا — اور حسن بصریؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام عمامہ پر اور ٹوپی پر سجدہ کرتے اور ان کے دونوں ہاتھ آستین میں ہوتے۔

(فوائد و مسائل) اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ و امام عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں موصولاً بیان کیا حضرت حسن بصری جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں —— اس سے واضح ہوا کہ سخت سردی یا گرمی کی وجہ سے نمازی اپنے کپڑے یا ٹوپی یا پگڑی پر سجدہ کرے تو جائز ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ مالک و احمد اسحاق و اکثر علماء رضی اللہ تعالی عنہم کا یہی قول ہے۔ اور پگڑی کے کور پیچ پر سجدہ کیا۔ تو اگر ماتھا خوب جم گیا تو سجدہ ہو گیا۔ اور اگر ماتھا جما نہیں۔ بلکہ صرف ذرا چھو گیا کہ دبانے سے اور دب جاتا یا ماتھا معلق رہا تو سجدہ نہ ہوا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُوْدِ (بخاری) حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ نماز ادا کرتے۔ تو سخت گرمی کی وجہ سے کوئی ہم میں سے اپنے کپڑے کا کنارہ سجدہ کی جگہ رکھ لیتا۔

فوائد و مسائل} امام نے اس حدیث کو کتاب الصلوٰۃ میں مکرر ذکر کیا۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی ترمذی۔ ابن ماجہ۔ نے بھی اس حدیث کو صلوٰۃ میں ذکر کیا —— اس حدیث سے واضح ہوا۔ کہ اگر زمین اتنی گرم ہو جائے کہ سجدہ کرنا دشوار ہو۔ تو نمازی اپنے کپڑے پر سجدہ کر سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم۔ عطاء۔ طاؤس۔ اوزاعی نخعی۔ زہری مکحول۔ مسروق۔ شریح وابراہیم۔ و جمہور علماء رضی اللہ تعالی عنہم کا یہی مسلک ہے۔ —— ابراہیم نے کہا۔ ایک دن جناب فاروق اعظم رضہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ تو آپ نے اپنے کپڑے کا ایک کنارہ زمین

پر ڈال دیا۔ اور اس پر سجدہ کیا۔ اس کے بعد فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی گرمی محسوس کرے تو وہ
فلیسجد علی طرف ثوبہ ؛ بحوالہ ابن ابی شیبہ عینی ج ۱ ص ۲۸۸ اپنے کپڑے
کے کنارہ پر سجدہ کرے ۔۔۔۔۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ کپڑا بچھا کر سجدہ کرنا یا
اگر وہاں کنکریاں ہیں۔ یا زمین سخت گرم یا سرد ہے تو پہنے ہوئے کپڑے کے کونہ کو
بچھا کر اس پر سجدہ کرنا۔ یا وہاں۔ دھول ہے۔ اور عمامہ کو گرد سے بچانے کے لئے پہنے
ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ ۔۔۔۔۔ اور بلا عذر یا پیشانی کو خاک سے
بچانے کے لئے پہنے ہوئے کپڑے پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔

فیوض الباری فی شرح صحیح بخاری شریف حصہ دوم ۔ کتاب الصلوٰۃ ۔ صفحہ 135 جلد ۱
(مصنف) علامہ سید محمود احمد رضوی مکتبہ رضوان داتا دربار روڈ لاہور ۔

عمامہ کے پیچ پر سجدہ کیا۔ اگر ماتھا خوب جم گیا۔ سجدہ ہو گیا۔ اور ماتھا نہ
جما بلکہ فقط چھو گیا کہ دبانے سے دبے گا۔ یا سر کا کوئی حصہ لگا تو نہ ہوا۔ (درمختار) بحوالہ
بہار شریعت جلد اول صفحہ 194 حصہ سوم 46 (مولانا شاہ محمد امجد علی رح)

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ شریف کے پیچ پر سجدہ فرماتے
تھے (ابو نعیم) اسی طرح اور روایت میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رض فرماتے ہیں کہ میں نے
سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدہ کرتے تھے عمامہ شریف کے پیچ پر (طبرانی)
بحوالہ رسالہ سنت عمامہ (مؤلفہ ڈاکٹر سید محمد عامر گیلانی)

سجد علی کور عمامتہ او فاضل ثوبہ او شئ یجد حجمہ و یستقر جبھتہ جاز و ان
لم یستقر لا کذا السجدہ = قولہ علی کور عمامتہ العمامۃ بالکسر ما یلف علی الراس بالفارسیۃ
دستار وکور بالفتح دور یا یعنی پیچ دستار جواز ذالک لما روی ان النبی صلعم سجد علی کور عمامتہ
اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ والطبرانی وابن عدی وابن ابی حاتم واسانیدہ ضعیفۃ کما بسطنا فی السعایۃ
اللازمۃ تتقوی بعمل السلف فقد اخرج البیہقی عن الحسن کان اصحاب رسول اللہ صلعم یسجدون وایدیہم
فی ثیابھم ویسجد الرجل منھم علی کور عمامتہ ۔ قولہ او فاضل ثوبہ ای اصل من ثوبہ الملبوس کالکم

والدلیل فقد روی الائمة الستة عن انس کنا نصلی مع الرسول اللہ ﷺ فی شدة الحر فاذا لم
یستطع احدنا ان یمکن وجھہ من الارض من شدة الحر بسط ثوبہ وسجد علیہ ہ
شرح الوقایۃ مع حاشیہ عمدۃ الرعایۃ : (امام محمد زکی ؒ) جلد اوّل صفحہ 146

(نحو کا مسئلہ)

کہ قرآن کی ابتداء ہی میں جو بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ شروع کرتا ہوں میں
ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان ورحیم ہے۔ تو بسم اللہ الرحمن الرحیم میں وہ کون سا لفظ ہے جس کا معنیٰ
یہ ہے کہ شروع کرتا ہوں میں وہ دیکھیے بسم اللہ کی (ب) کا معنیٰ ساتھ۔ اسم اللہ کا معنیٰ نام
اللہ کے اور الرحمن الرحیم کا معنیٰ جو مہربان ورحیم ہے۔ فرمائیے اس میں شروع کرتا ہوں میں
یہ ترجمہ کس لفظ کا ہوا؟

یاد رہے۔ کہ نحو یعنی عربی گرامر کا ایک قاعدہ یہ بھی ہے۔ کہ حرف (ب) "جار" ہے
اور جس لفظ پر یہ آجائے وہ مجرور کہلاتا ہے۔ اور جار ومجرور کسی فعل کے متعلق ہوتے
ہیں۔ فعل ظاہر نہ ہو۔ تو وہاں فعل محذوف ہوتا ہے۔ اب دیکھیے بسم اللہ میں بھی با حرف
جار ہے۔ اور یہ لفظ اللہ پر آیا ہے۔ جو مجرور ہے۔ اور حسب قاعدہ یہ جار ومجرور
فعل محذوف کے متعلق ہے۔ اور وہ فعل محذوف کونسا ہے۔ سنیے وہ جب خدا نے فرمایا
بسم اللہ الرحمن الرحیم تو فعل محذوف صیغہ امر کا تھا یعنی اِشْرَعْ یعنی شروع کر تو
ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان ورحیم ہے اور جب بندہ کہتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
تو فعل مضارع متکلم کا محذوف ہوتا ہے۔ یعنی اَشْرَعُ یعنی میں شروع کرتا ہوں۔
ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان ورحیم ہے۔

کسی ایک امام کا مقلد رہتے ہوئے کسی مشکل وقت میں کسی امام کے مذہب کے مطابق عمل کرلیا جائے۔
تو یہ عمل بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رد نہیں کیا جائے گا۔ فرمان حضور فقیہ اعظم
نور الحبیب ص ۴۴

رجب ۱۴۲۱ - اکتوبر ۲۰۰۰ء

(✱)

ماہِ رجب المرجب

(کونڈوں کی حقیقت)

ماہ رجب اسلامی تقویم میں ساتواں مہینہ ہے۔ اور ایک مقدس مہینہ ہے۔ واضح رہے۔ اسلام میں حرمت والے مہینے چار ہیں۔ ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ محرم اور رجب المرجب ان میں جنگیں حرام ہیں۔ دراصل قبل اسلام بھی یہ مہینے مقدس تھے۔ اور ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا۔ عرب لوگ بدویانہ خصائل کی بنا پر ڈاکہ، لوٹ مار ایسی غلط کاریوں کے باوجود ان مہینوں میں اپنی یہ مذموم سرگرمیاں ترک کر دیتے اور ہر طرف امن وامان کا چلن ہو جاتا۔ اسلام نے بھی ان مہینوں کی حرمت وعظمت کو قائم رکھا۔ اور انسان دشمن افعال کو حرام قرار دیا۔

اس مہینے کو یہ شرف حاصل ہے۔ کہ ان حالات میں جبکہ مسلمانوں پر مکہ میں انتہائی ظلم وستم ہو رہا تھا۔ اور لگتا تھا۔ کہ یہ مٹھی بھر مسلمان اور اسلام مٹ جائیگا۔ اور حالات انتہائی دگرگوں تھے۔ ان حالات میں رسول اکرم ؐ کو اللہ تعالیٰ نے معراج عطا فرمائی۔ جو کہ تمام انبیاء کے معجزوں سے بڑا معجزہ ہے۔ اور ان حالات میں مسلمانوں کی عظیم تسلی وتشفی اور غلبے کی خوشخبری ثابت ہوا۔ سفر معراج کے دو حصے ہیں۔ ایک بیت اللہ سے مسجد اقصیٰ تک اور دوسرا سفر مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان تک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلًا ---- انہ ھو السمیع البصیر ۱ (بنی اسرائیل)

رجب کے مہینے میں 22 تاریخ کو عوام کے ایک خاص طبقے میں کونڈے کی رسم رائج ہے۔ جسے امام جعفر صادق کے کونڈوں کا نام دیا جاتا ہے۔ جاہل لوگ ان کونڈوں کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔ اور اس پر عجیب وغریب اور کہانیاں بھی بنا رکھی ہیں۔ تو یہ سب بھی فرضی اور من گھڑت پروپیگنڈہ ہے۔ امام جعفر صادق ساری عمر مدینہ میں رہے۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان کے دور سے لیکر آج تک مدینہ کے لوگ اس رسم سے ناواقف ہیں۔ امام جعفر کی نہ تو 22 رجب کو پیدائش ہوئی۔ اور نہ وفات تو اصل حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ؐ کی زوجہ محترمہ ام حبیبہ ؓ کے بھائی امیر معاویہ ؓ تب وحی 22 رجب کو فوت ہوئے تھے۔ اور ان کے بارے میں دل میں کینہ رکھنے والوں نے خفیہ طور پر خوشی منانے کی ایک رسم کونڈے نام کی جاری کی۔ تو افسوس

5

ان لوگوں پر بھی ہے۔ جو بلا تحقیق اس رسم کو ادا کرتے ہیں۔ نبی ؐ نے صحابہ کے میں فرمایا۔ من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم۔ جس نے میرے صحابہ سے محبت کی اس نے گویا میری وجہ سے ان سے محبت کی۔ اور جس نے ان سے دشمنی کی گویا۔ اس نے میرے ساتھ دشمنی کی (ترمذی)

احمد رضا خان بریلوی رح کا فتویٰ ہے۔ جو شخص سیدنا معاویہؓ پر طعن کرے۔ وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔ امیر معاویہ کے حق میں نبی نے دعا فرمائی تھی۔ اے اللہ ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والا بنا۔ اور ان کے ذریعے لوگوں کو ہدایت عطا فرما۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی 163 احادیث ان سے مروی ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صحابہ کی محبت عطا فرمائے آمین)

ماہنامہ مجلۃ الدعوۃ لاہور پاکستان 9۔ رجب المرجب ۱۴۲۵ستمبر ۲۰۰۴

Muchtama Qari Muhammad Abbas Nizami Distt. Pakpattan

2۔11۔
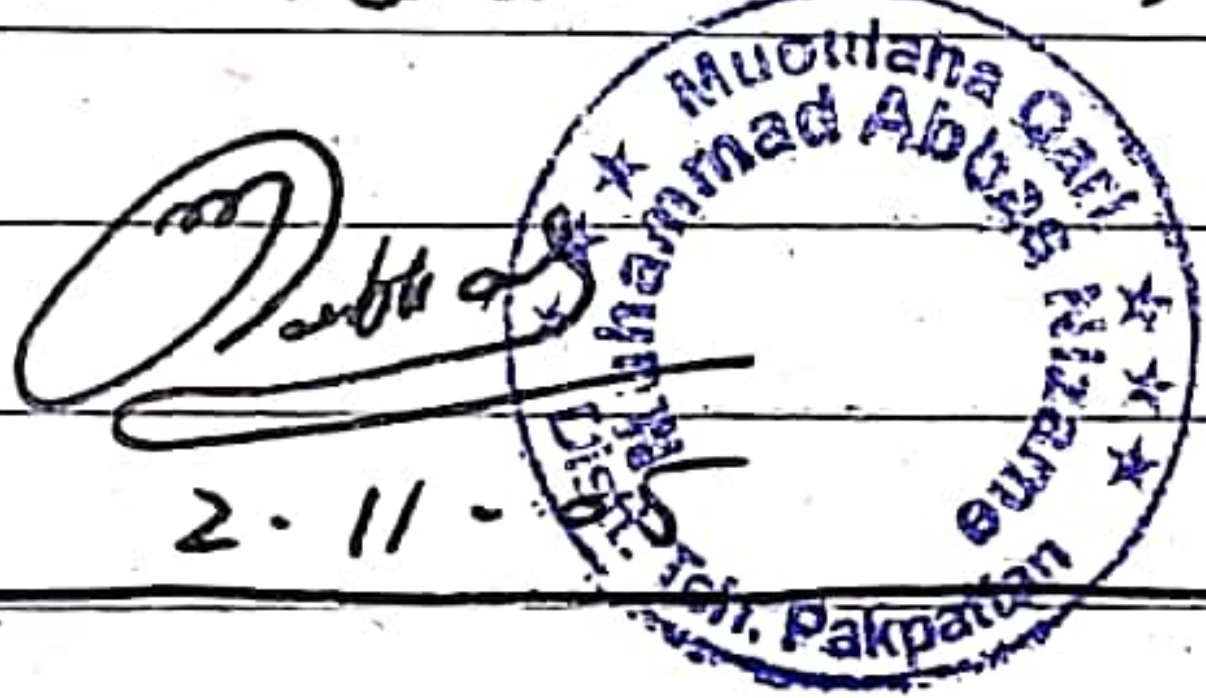
(نفل نماز)

۱۔ امام نے اگر مؤکدہ سنتیں نہ پڑھی ہوں تو بھی جماعت کرا سکتا ہے۔ لیکن امام کو چاہیے کہ سنتوں سے پہلے فارغ ہو جائے۔ خاص طور پر فجر کی سنتیں ضرور پڑھ لے۔ سنتیں پڑھنے کی وجہ سے اگر امام صاحب سے جماعت میں کچھ تاخیر ہو جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ خفا نہ ہوں۔

۲۔ سنتیں پڑھنے کے لئے اذان کا انتظار کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال کر لیا جائے کہ اس نماز کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ نور الحبیب بصیرپور صفحہ ۶۷ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ جولائی ۲۰۰۴

جلد ۱۶ شمارہ ۷

(ولادت باسعادت)

محمد رسول اللہ (فتح ۲۹) ۔ اس کلام الٰہی میں تین کلمات مبارکہ اور بارہ حروف مبارکہ ہیں جیسا کہ تفسیر نعیمی میں مرقوم ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ یہاں جس ذات مبارکہ کی رسالت کا بیان ہے۔ اس کی ولادت باسعادت سال کے تیسرے ماہ کی بارہویں تاریخ میں ہوئی۔

نور الحبیب جمادی الآخر ۱۴۲۰ ستمبر ۱۹۹۹ جلد ۱۱ شمارہ ۹ ص ۱۶

نماز جنازہ

شرح مسلم جلد ۲ صـ ۸۰۳

بعض دفعہ ایسی صورتیں پیش آجاتی ہیں۔ جن میں نماز جنازہ کے تعدد کے جواز اور
عدم جواز کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شہر میں کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے۔ وہاں کے
لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں۔ بعد میں اس کی میت کو اس کے وطن لے جاتے ہیں۔ وہاں
لوگ دوبارہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں احناف کا مسلک یہ
ہے۔ کہ ولی کے پڑھنے کے بعد دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں۔ نماز پڑھی جانے کے بعد اگر کچھ لوگ جنازے پر آئیں
تو وہ انفرادی طور پر نماز جنازہ پڑھیں نہ جماعت کے ساتھ۔ البتہ اگر پہلے ولی کی اجازت
کے بغیر اجنبی لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی ہو تو بعد میں ولی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ کی تکرار جائز ہے۔ کیونکہ روایت میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ایک نئی قبر کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس کے بارے میں سوال کیا۔ بتایا گیا کہ یہ فلاں عورت
کی قبر ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھے نماز پڑھانے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔ کہا گیا اسے رات
کو دفن کیا گیا تھا ہم نے حشرات الارض کے خوف سے آپ کو خبر نہیں دی۔ آپ نے کھڑے ہو کر
اس کی قبر پر نماز پڑھی۔ نیز جب رسول اللہ کا وصال ہوا۔ تو صحابہ کرام نے آپ کے جنازے
شریفہ پر فوج در فوج نماز پڑھی ——— ہماری دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ سے روایت ہے۔ کہ ایک بار ان سے نماز
جنازہ رہ گئی۔ جب وہ جنازے پر آئے تو انہوں نے صرف میت کے لئے استغفار کیا۔
اور ——— حضرت عبداللہ بن سلام رضی سے حضرت عمر رضی کی نماز جنازہ رہ گئی۔ جب
وہ جنازے پر آئے تو انہوں نے کہا۔ کہ حضرت عمر پر نماز پڑھنے میں اگرچہ تم نے مجھ پر سبقت
کر لی ہے۔ لیکن ان کے لئے دعا میں مجھ سے پہلے سبقت نہ کرنا۔" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
میت کا حق فریق اول کے فعل سے ادا ہو جاتا ہے۔ اب اگر فریق ثانی بھی یہ فعل کرے تو اس
کے حق میں نماز جنازہ نفل ہو جائے گی۔ اور یہ جائز نہیں ہے۔

کیونکہ اگر نماز جنازہ نفلی طور پر جائز ہوتی تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ۔ رسول اکرم ص

کی قبر کی زیارت عطا فرماتا ہے۔ انہیں آپ کی قبر پر نماز جنازہ بطریق اولیٰ پڑھنی چاہئیے تھی۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اپنی قبر میں اسی طرح ہیں۔ جس طرح بروزِ اوّل آپ کو رکھا گیا تھا۔ اور حدیث شریف میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے گوشت کھانے کو حرام کر دیا ہے۔ حالانکہ آپ کی قبر پر کوئی مسلمان آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھتا۔ اور مسلمانوں کا یہ اجتماعی ترک اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ میّت پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ سوا اس صورت کے کہ میّت کے ولی نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو۔ اور جنازہ پڑھ لیا جائے۔ تو وہ دوبارہ اس کی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ نماز جنازہ پڑھنا اس کا حق ہے۔ اور دوسرا کوئی شخص اس کے حق کو ساقط نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس عورت کی قبر پر نماز پڑھی اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ آپ ہر مسلمان کے ولی ہیں۔ اور ولی کے بغیر اگر نماز جنازہ پڑھ لی جائے۔ تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ ———— صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو فوج در فوج آپ کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ اس کا بھی یہی جواب ہے۔ کیونکہ آپ کے شرعی ولی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور وہ معاملات کی درستگی اور فتنوں کے دبانے میں مشغول تھے۔ اس لئے ان کے نماز پڑھنے سے پہلے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ حالانکہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے یہ ان کا حق تھا۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق نے نماز جنازہ پڑھ لی تو پھر کسی شخص نے آپ کے بعد نماز نہیں پڑھی۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء یہ کہتے ہیں۔ کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔ اور امام شافعی کہتے ہیں۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ آپ کے لئے روئے زمین کو لپیٹ دیا گیا۔ اور آپ سب سے بڑھ کر ولی ہیں۔ اور یہ بات کسی دوسرے کیلئے متصور نہیں ہے ———— علامہ شمس الدین سرخسی متوفیٰ ۴۸۳ھ المبسوط۔ ج ۲ ص ۶۷

اور صاحب بہار شریعت علامہ محمد امجد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولی کے سوا کسی ایسے نے نماز پڑھائی جو ولی پر مقدم نہ ہو۔ اور ولی نے اسے اجازت بھی نہ دی تھی تو اگر ولی نماز میں شریک نہ ہوا۔ تو نماز کا اعادہ کر سکتا ہے۔ اور اگر میت کو دفن کر دیا گیا ہے۔ تو قبر

پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر وہ ولی پر مقدم ہے۔ جیسے بادشاہ وقاضی وامام محلہ کہ ولی سے افضل ہو۔ تو اب ولی نماز کا اعادہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر ایک ولی نے نماز پڑھا دی تو دوسرے اولیاء اعادہ نہیں کر سکتے۔ اور ہر صورت اعادہ میں جو شخص پہلی نماز میں شریک نہ تھا۔ وہ ولی کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اور جو شخص شریک تھا۔ وہ ولی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ کہ جنازہ دو مرتبہ نماز ناجائز ہے۔ سوا اس صورت کے کہ غیر ولی نے بغیر اذن ولی پڑھائی۔ (عالمگیری درمختار وغیرھما) بہار شریعت جلد ۱ ص ۸۶۵ حصہ چہارم ص ۱۰۳ — علامہ محمد اصغر علی سیالوی لکھتے ہیں۔ کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جب فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ آئے۔ اور ارادہ کیا کہ جنازہ دوبارہ پڑھیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا نماز جنازہ میت پر دوبارہ نہیں پڑھی جاتی۔ لیکن تو اس کے لئے دعا کر اور استغفار کر۔ (بدائع الصنائع ص ۵۸۷) بحوالہ رسالہ دعا بعد از نماز جنازہ ص ۴۲ تو یہ بات اظہر من الشمس کی طرح روشن ہے۔ کہ دوبارہ نماز جنازہ منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی شریعت پاک۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور صوفیائے کرام۔ آئمہ کرام اہلسنت کے نزدیک خلاف ہے۔ اور جو دوبارہ نماز جنازہ پڑھے تو گنہگار ہے۔

بروز جمعرات ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

۱۱

(رسالت مبارکہ کا بیان ۴ سوال)

محمد رسول اللہ ۲ سورۃ الفتح ۲۹ اس کلام الٰہی میں سید الانبیاء ۴ کی رسالت کا بیان ہے۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سبحان اللہ اس میں پہلا کلمہ اسم رسالت محمد، دوسرا کلمہ مبارکہ رسول ہے تیسرا کلمہ مبارکہ اسم جلالت اللہ ہے ان میں سے ہر ایک کلمہ مبارکہ کا عدد جو اس کے تحت لکھا ہوا ہے۔ محمد + رسول + اللہ

۹۲ = ۲۹۶ ۶۶ = 40

40 = 6+6+2+9+6+9+2

رسول اللہ نے ۴۰ سال ہی کی عمر میں اعلان رسالت پایا۔ جس پر علماء کا اتفاق ہے۔ جیسا کہ امام نووی علیہ الرحمۃ نے لکھا۔ نور الحبیب جماعی الاخر ۱۴۲۰ ستمبر ۱۹۹۹ ص ۱۶

چھپکلی کا قتل

چھپکلی کو مارنا مستحب ہے۔ اسے شرع نے فاسق قرار دیا ہے۔ اور پہلی ضرب کے ساتھ مارنے پر سو نیکیاں ملتی ہیں۔ اور دوسری پر اس سے کم اور تیسری ضرب پر اس سے بھی کم۔ ام شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں۔ بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چھپکلیاں مارنے کا حکم دیا۔ (مسلم کتاب السلام) 142 -2237 (بخاری شریف کتاب بدء الخلق 3307) حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ یقیناً رسول اکرم ﷺ نے چھپکلی کے بارے فرمایا یہ فاسقہ ہے۔ (بخاری شریف 3306 مسلم 145 / 2239) ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے چھپکلی پہلی ضرب میں مار دی اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور دوسری ضرب میں اس سے کم اور تیسری میں اس سے کم (مسلم 147/2240)

سائبہ جو الفاکہ بن المغیرہ کی باندی تھی بیان کرتی ہیں کہ وہ سیدہ عائشہ رضہ کے پاس آئیں تو اس نے عائشہ رضہ کے گھر ایک نیزہ رکھا ہوا دیکھا۔ کہنے لگیں ام المومنین تم اس نیزے کے ساتھ کیا کرتی ہو۔ فرمانے لگیں ہم اس کے ساتھ یہ چھپکلیاں قتل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے نبی نے ہمیں خبر دی ہے۔ کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو زمین کا ہر جاندار اس آگ کو بجھا رہا تھا۔ مگر چھپکلی اس آگ میں پھونک مار کر اسے بھڑکا رہی تھی۔ تو رسول ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ باب قتل الوزغ 3231، مسند احمد 24534 فتح الباری 6 / 354، علامہ بوصیری نے زوائد ابن ماجہ میں اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا۔ کہ چھپکلی کو مارنا باعث ثواب ہے۔ اور اسے شرع نے فاسقہ قرار دیا ہے۔ اور مارنے کا حکم بھی صادر فرمایا ہے۔ اس کو اول ضرب میں مارنے پر سو نیکیاں بتائی گئی ہیں۔ بعض روایات میں 70 نیکیوں کا ذکر ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ تو ان روایات میں کوئی تضاد نہیں اس لئے کہ 70 کا عدد سو میں داخل ہے۔ اولاً 70 نیکیاں بتائی ہوں۔ پھر 100 بتا دی ہوں۔ یا چھپکلی مارنے والے لوگوں کے اخلاص نیت کے باعث اجر مختلف ہوں۔ اس کی اور بھی تطبیقات ہیں۔ تفصیل کے لئے شرح مسلم امام نووی اور قاضی عیاض کو دیکھا جائے ۔

(واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل)

شادی کے موقع پر نیوتہ لینا

برِصغیر پاک و ہند میں اہلِ اسلام اور ہندوؤں کے اختلاط کی وجہ سے بے شمار خرابیوں نے جنم لیا۔ اور یہ خرابیاں اعتقاد و ایقان اور اعمال میں یکساں رونما ہوئی ہیں اور انہی مفاسد اور خرابیوں میں سے شادی بیاہ کی رسومات و بدعات ہیں۔ اور ہندوانہ رسم و رواج میں سے نیوتہ (نیوندرا) بھی ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے۔ کہ شادی بیاہ پر اخراجات کثیر ہوتے ہیں۔ اور یہ تعاون کی ایک شکل ہے۔ حالانکہ یہ صورت قرض کی قبیح ترین قسم ہے۔ شادی بیاہ پر کسی شخص کو رجسٹر دے کر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور جتنے لوگوں کو اس پارٹی یا تقریب میں مدعو کیا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد ان سے پیسے وصول کیئے جاتے ہیں۔ اگر ایک آدمی نے شادی پر ۱۰۰ روپے دیا ہے۔ تو وہ اس سے دگنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اور اگر اس کی دی ہوئی رقم سے زیادہ نہ دی جائے تو ناراضگی جنم لیتی ہے۔ اور اگر کوئی اتنی ہی رقم دے جتنی اس نے لی ہوئی تھی تو کہا جاتا ہے۔ کہ اس نے ہم سے بھاجی ختم کر دی ہے۔

یاد رہے۔ یہ خالصتاً ہندوانہ رسم ہے۔ ڈاکٹر محمد عمر اپنی کتاب — ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر — کے صفحہ 153 - 154 پر جہیز کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

کنبوہ فرقے کے مسلمان جہیز نہیں دیتے تھے۔ اور عروس کے گھر ساچق رسم مہندی بھی نہیں بھیجتے تھے۔ اور نکاح میں یا شبِ عروسی کو یا حنا بندی کے موقع پر شربت پلانے کے بعد باراتیوں سے نیوتہ یا نیگ بھی نہیں لیتے تھے۔ کیونکہ یہ لوگ فرطِ غیرت سے ان کاموں کو مکروہ سمجھتے تھے۔ شادی کے بعد لاکھ دو لاکھ جو کچھ بھی ان کو میسر ہوتا تھا۔ نقد اور جنس کی صورت میں داماد کو پہنچا دیتے تھے۔ لیکن داماد کے ساتھ جہیز بھی نہیں بھیجتے تھے۔ تاکہ دکاندار اور راہگیر اور کوسر تماشہ بین گدوں کی چھتوں سے اس مال کو جاتے دیکھیں

پھر آگے لکھتے ہیں ———— اس طرح شربت پلانے کے بعد نیگ اس وجہ سے نہیں لیتے تھے کہ بعض غریب اور نادار حاضرین شرمندہ ہوں گے۔ یا بعض لوگ قرض لے کر دیں گے اور انہیں زیر بار ہونا پڑے گا۔ ———— اسی طرح مولانا عبیداللہ مالیرکوٹی نے تحفہ الہند ص 184

میں ہندوؤں کی رسومات میں کھٹ کا تذکرہ کیا ہے۔ بہر کیف نیوندرا اور کھٹ یہ خالص ہندوؤں کی رسم ہے۔ ہمیں اغیار کی رسومات سے بچنا چاہئے۔ کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا ــــ جس نے کسی قوم کی نقالی کی وہ ان ہی میں سے ہے۔ (ابوداؤد 4031 مسند احمد 2/ 50 ح 92) دوسری بات یہ ہے۔ کہ یہ ایسا قرض ہے۔ جو کہ مرنے والا اپنے بعد اولاد در اولاد کیلئے چھوڑا جاتا ہے۔ اور قرض کی ادائیگی جب تک نہ ہو جنازہ پڑھنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہ فرماتے تھے۔ اور تیسری بات یہ ہے۔ کہ اللہ کہتا ہے۔ کہ اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر (المدثر 6) ابن عباس فرماتے ہیں۔ کسی کو ایسا عطیہ و تحفہ نہ دو۔ کہ اس سے زیادہ کا مطالبہ کرو۔ یہی تفسیر عکرمہ، مجاہد، عطاء طاؤس، ابوالاحوص، ابراہیم نخعی والضحاک وقتادہ والسدی وغیرہم سے مروی ہے۔ (ابن کثیر 6/340 الدرالمنثور 8/ 301 تفسیر طبری 12/301، 303)

لہذا رسم نیوتہ ہندوانہ رسم، قرض کی بری قسم اور کسی سے نیکی کرنے زیادہ کی حرص اور مطالبہ جیسے امور پر مبنی ہے۔ اس سے اجتناب کلی برتنا چاہئے۔ اللہ ہمیں ان رسومات سے محفوظ فرمائے (آمین)

(اللہ و رسولہ اعلم اتم و اکمل)

Muoulana Qari Muhammad Abbas Nizami Dist. Teh. Pakpattan

Abbas
5-11-05

سنت قبل
دو رکعت مرآۃ ص $\frac{۲۱۱}{۲}$ میں لکھا ر

چار رکعت نماز بعد نماز ظہر اور عشاء = بہار شریعت = ص $\frac{۲۶۹}{۲ حصہ}$

ابن ماجہ ص $\frac{۳۲}{۱}$ تا $\frac{۳۳}{۱}$ باب الصلوۃ ظہر قبل اور بعدھا - اور گا - نسائی = ص $\frac{۶۲}{۱}$

چار سنت رکعت

س - کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ نماز عشاء کے بعد دو سنتیں اور دو نفل ملا کر ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے۔ (مولانا محمد حفیظ نوری پاکپتن)

ج - ہاں بلاشبہ جائز ہے۔ نہ صرف جائز بلکہ احناف کے نزدیک مستحب و اولیٰ ہے۔
علاوہ ازیں نمازِ ظہر کے بعد چار رکعتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ مسند ابی داؤد میں شریح بن ہانی سے روایت ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں ام المومنین سیدہ عائشہ رض سے دریافت کیا فقالت ما صلی العشاء قط فدخل بیتی الا صلی فیہ اربع رکعات (الحدیث)
سنن ترمذی میں ام المومنین ام حبیبہ رض سے روایت ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ من صلی قبل الظہر اربعا وبعدھا اربعا حرمہ اللہ تعالیٰ علی النار۔ تو نماز ظہر اور نماز عشاء کے بعد دو رکعت کے بجائے چار رکعتیں پڑھنا افضل و اولیٰ ہے۔ اور یہ چار رکعتیں علیحدہ علیحدہ دو دو رکعت کر کے بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے امام اعظم رح کے نزدیک دن اور رات کی نماز نافلہ میں افضل یہی ہے۔ کہ ایک ہی تکبیر تحریمہ اور ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعتیں ملا کر پڑھی جائیں۔ منیۃ المصلی ص ۳۹۰ میں ہے۔ ثم الا الافضل فی صلوۃ اللیل والنہار اربع بتحریمۃ واحدۃ عندہ ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۲۰/۱ میں ہے۔ و (الافضل) عند ابی حنیفہ فیہما اربع یعنی رات ہو یا دن امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک افضل یہی ہے۔ کہ چار چار رکعات کر کے نماز نافلہ ادا کی جائے۔ امام علام شیخ ابن الہمام رح نے اس مقام پر فتح القدیر میں اور علامۃ الدھر شیخ وصی احمد محدث سورتی رح نے منیہ کی شرح میں بڑی شرح و بسط اور تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

سیدی فقیہ اعظم پاکستان نے راقم کو ایک سے زائد بار فرمایا۔ کہ ظہر و عشاء کے بعد کی چار رکعتیں ملا کر پڑھا کرو۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ پتہ نہیں لوگ کیوں دو رکعتوں پر سلام پھیر کر ثواب کم کر دیتے ہیں۔ تو روز روشن کی طرح واضح ہوا۔ کہ ظہر و عشاء کے بعد والی چار رکعتیں ملا کر پڑھنا جائز و افضل ہے واجب ہے۔

(محمد اسعد اللہ نوری مدرس دار العلوم حنفیہ و بدریہ بصیر پور)

(نور الحبیب 47/34 ماہنامہ اکتوبر 1991 جلد 3 شمارہ 8 ربیع الثانی 1412ھ)

ابوداؤد ص ۱۸۳ باب النوافل - ترمذی ص ۲۷۱/۱ ابواب الصلوٰۃ -

[signature]
6-11-05

نماز اور ٹوپی

حضور علیہ السلام نے عمامہ استعمال فرمایا۔ اگر کوئی شخص عمامہ استعمال کرتا ہے۔ تو اسے فضیلت حاصل ہوگی۔ لیکن اگر کوئی شخص ٹوپی پہن کر نماز پڑھتا یا پڑھاتا ہے تو اس سے نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔ کیونکہ عمامہ سنن زوائد میں سے ہے۔ اور سنن زوائد کے ترک سے کراہت لازم نہیں آتی۔ اس مسئلہ پر بعض علماء نے سختی سے کام لیا۔ کہ امام کو ہر صورت عمامہ استعمال کرنا چاہئیے۔ ہر مسجد میں یہ معاملہ پیش آیا۔ خطیب اہلسنت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی نے حضرت مولانا نوراللہ رحمہ کی خدمت میں سوال ارسال کیا۔ کہ حضور علیہ السلام یا صحابہ میں سے کسی کا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا فعلاً یا قولاً ثابت ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ ہاں ثابت ہے۔ امام حقانی خطیب ربانی حضرت سیدی عبدالوہاب شعرانی رحمہ کشف الغمہ شریف صفحہ ۸۰ جلد ا میں فرماتے ہیں ـــــ کان صلی اللہ علیہ وسلم یامر بستر الراس بالعمامۃ او القلنسوۃ وینھی عن کشف الراس فی الصلوٰۃ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے ستر سر کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور نماز میں سر ننگا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے ـــــ یہ تو حدیث پاک کئی وجوہ سے دلیل ہے ستر سر کا حکم دینا اور ننگا سر کرنے سے منع فرمانا کثیر پتہ دیتا ہے۔ کہ اکیلی ٹوپی بھی کافی ہے۔ بغیر عمامہ یا ٹوپی فرمایا بھی اس کی دلیل ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہے۔ کہ حضور نور علی نور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے تھے خود بھی اس پر عمل کر کے دکھاتے تھے۔ آگے دوسری حدیث کا ذکر کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ـــــ کان یلبس صلی اللہ علیہ وسلم القلانس تحت العمائم وبغیر العمائم ویلبس العمائم بغیر القلانس کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم ٹوپی مبارک عمامہ شریف کے نیچے اور اکیلی ٹوپی مبارک اور اکیلا عمامہ شریف پہنا کرتے تھے۔

(واللہ اعلم ورسولہ بالصواب)

نور الحبیب فقیہ اعظم نمبر صفحہ ۲۵۱ - ۲۵۲ جلد ۴ جنوری فروری ۱۹۹۲ شمارہ ۲۱

چالیس کا عدد

(۱) فرعون کیلئے موسیٰ علیہ السلام نے چالیس سال تک بددعا کی = مرأة ۳۱۷/۳ ۔

(۲) یعقوب علیہ السلام فراقِ یوسف علیہ السلام میں چالیس سال تک روئے ۳۱۷/۳

(۳) چالیس جنتیوں کی طاقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ السلام کو عطا ہوئی = شفا شریف ۔ ۱۵۵/۱ نزہۃ المجالس ۴۸۹/۲

(۴) عثمان کو زبانِ نبوی ؐ کہ چالیس بیٹیاں بھی ہوتی تاریخ الخلفاء ۲۳۶

(۵) قبولِ اسلام کے وقت صدیقِ اکبر کے پاس چالیس ہزار درہم = تاریخ الخلفاء ۱۰۲

(۶) نمازی کے آگے گزرنا ۔ نسبت چالیس سال تک کھڑے رہنا = شرح مسلم ۱۳۱۹

(۷) چالیس دن میں آدمؑ کا خمیر ہوا ۔ توریت موسیٰؑ کو چالیس دن ۔ چالیس سال کی عمر میں اکثر نبیوں کو نبوت عطا ہوئی ۔ چالیس دن ماں کے پیٹ میں ۔ بچے کی پیدائش کے بعد چالیس دن عورت کو نفاس ۔ چالیس سال میں عمر پختہ ۔ چالیس دن خلوصِ عبادت ۔ چالیس دن کے چلے ہوتے ہیں ۔ چالیس دن نماز پڑھ لے ۔ انبیاء اپنی قبور میں چالیس دن ۔ تفسیر نعیمی جلد ۱ ص ۳۳۴ ۔ چالیس راتیں مسجد میں نمازِ عشاء جہنم سے آزادی بہار شریعت ص 224 ۔ حرام مال کا لقمہ چالیس دن کی عبادت کو برباد کر دیتا ہے ۔ فیضانِ سنت ص ۴۶۹ —— شبہ کی کھجور نے چالیس روز کی عبادت بے لذت کر دی ابراہیم بن ادہمؒ فیضانِ سنت ص ۴۷۲ — ناخن اور زیر ناف بغل وغیرہ چالیس روز سے تجاوز نہ کریں ۔ بہار شریعت ص ۸۱۸ —— بزرگانِ دین کی ارواح چالیس دن اپنی قبر میں رہتی ہے پھر اپنے اصلی ٹھکانے جہاں حشر تک رہنا ہے پہنچ جاتی ہے ۔ نعیمی ص ۲۴۴/۳ —— چالیس آدمیوں کا ولی بننا روح البیان ۴۳۵/۲۷ —— جنازہ لے کر چالیس قدم چلے گناہ معاف بہار شریعت جلد ۱ ص ۳

چالیس بندے نمازِ جنازہ پڑھیں تو میت کی بخشش ۔ مشکوٰۃ باب جنازہ ۳۵۶/۱ ابوداؤد ۵۳۸/۲ ——

ہر چالیس درہم پر چالیسواں حصہ ایک درہم زکوٰۃ ادا کرو ۔ مشکوٰۃ زکوٰۃ کا بیان ۳۸۸/۱ ——

(۲۰) تین صحابی ہرقل بادشاہ کے دربار میں ۔ اور چالیس رات تک عبادت ۱۷۲ بارہ تقریریں ۔

قیامت کے روز مہاجرین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جائیں گے ۔ مشکوٰۃ کتاب الرقاق شانِ فقراء ۵۰۰/۲

شام میں چالیس ابدال مشکوٰۃ باب ذکر یمن شام ۲۸۹/۳ —— زمین پر چالیس روز میں بدل جاتی ہے

امت میں چالیس ابدال ہوتے ہیں ۔ جب مومن مرجاتا ہے ۔ اس کی عبادت کا مقام چالیس روز روتا ہے ۔

شراب خوری کی حد آزاد کے لیے چالیس کوڑے ہیں۔ زیادہ جاڑا چالیس دن پڑتا ہے۔ دو نفخوں میں چالیس سال
کی مدت ہوگی۔ یونس علیہ السلام چالیس دن شکمِ ماہی میں رہے۔ نبی اکرم ؐ کے اصحاب کی تعداد چالیس
ہوئی تو کام ظاہر ہوا ص ۲۸۹/۲ نزہۃ المجالس ــــ سورۃ فاتحہ چالیس بار پڑھ کر پانی چھڑکے تو
بخار اتر جاتا ہے۔ امام جعفر صادق ص ۱۲۲/۲ ۔ اندھے کو چالیس قدم لے چلے تو جنت اس کے لیے واجب
نزہۃ المجالس ص ۱۳۲/۲ ــــ جب کسی عالم یا طالب علم کا گذر کسی قبر پر ہوتا ہے۔ تو چالیس روز
تک خدا وہاں کے مقبرہ سے عذاب اٹھا لیتا ہے۔ ۱۵۷/۲ جو جمعہ کے روز حدیث میں خوض کرتا
ہے۔ گویا اس نے چالیس ہزار حج کیے۔ جو طالب علم میں مرے۔ تو خدا اس کی قبر کے چالیس کوس کے ارد
گرد قبروں کو روشن فرما دیتا ہے۔ نزہۃ المجالس ص ۱۵۹/۲ ــــ نکاح کیے ہوئے شخص کی نماز
بلا نکاح کیے ہوئے شخص کی نماز سے چالیس حصہ افضل ہے۔ ۱۴/۲ ــــ نبی اکرم ؐ نے فرمایا
بہی کھایا کرو۔ اور خدا نے کسی نبی کو مبعوث نہیں کیا۔ جس کی جنت کی بہی نہ کھلائی ہو۔ اس
سے ان کی قوت چالیس مردوں کے برابر ہو جاتی ہے۔ نزہۃ المجالس ص ۵۲/۲ ــــ جو شراب
پیتا ہے۔ چالیس دن تک کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی ص ۷۳/۲ ــــ موسیٰ علیہ السلام
کا امتی چالیس سال تک گناہ کرتا رہا۔ بارش روک دی گئی ص ۱۰۴/۲ ــــ زمین چالیس سال پہلے
شام سے برباد ہو جائیگی ص ۱۶۹/۲ ــــ درود شریف پڑھنے سے چالیس فائدے ص ۲۰۹/۲
نبی پاک ؐ کی عمر چالیس روز تھی آپ چاند سے باتیں کرتے تھے ص ۲۱۱/۲ معراج کی رات جنت میں چالیس
ہزار براق۔ ۲۳۵/۲ براق نے نبی اکرم کا نام چالیس ہزار سال پہلے سنا ص ۲۳۵/۲ اسرافیل کو
فرمانِ الٰہی جب تک تم کسی کو کلمہ طیبہ کہتے ہوئے سنو۔ نفخ صور کو اس کے پڑھنے والے کی تعظیم کے لیے۔
چالیس برس تک موخر کر دو ص ۳۰۲/۲ سورۃ اخلاص پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے جنت
میں چالیس شہر ملیں گے۔ ۳۱۰/۲ حضرت خدیجہ کا نکاح نبی اکرم ؐ کے ساتھ ہوا تو آپ کی عمر چالیس
برس تھی ص ۳۲۵/۲ حضرت عائشہ کے نکاح کے وقت اللہ نے حکم دیا جنت کے دروازے چالیس روز
تک کھلے رکھے جائیں ص ۳۳۲/۲ ؛ حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضؓ نے بیان کیا
ہے۔ جو شخص مساجدِ خدا میں سے کسی مسجد کی آذان کا متولی بن جائے۔ اور اس سے ذاتِ خدا کو چاہتا ہو۔

خدا اس کو چالیس ہزار نبی اور چالیس ہزار صدیق و چالیس ہزار شہید کا ثواب عطا کرے گا۔ اور اس کی شفاعت میں چالیس ہزار گروہ کو داخل کرے گا۔ کہ ہر گروہ میں چالیس ہزار شخص ہونگے۔ اور اسے منجملہ تمام جنتوں کے ہر جنت میں چالیس ہزار شہر ملیں گے ہر شہر میں چالیس محل ہوں گے۔ ہر محل میں چالیس ہزار گھر ہوں گے۔ ہر گھر میں چالیس ہزار کمرے ہوں گے۔ ہر کمرے میں چالیس ہزار تخت ہوں گے۔ ہر تخت پر حورعین میں سے اس کی ایک زوجہ ہوگی اور اس کی ہر زوجہ کے سامنے چالیس ہزار خادمہ ہونگی اور ہر کمرہ میں چالیس ہزار دسترخوان ہوں گے۔ ہر دسترخوان پر چالیس ہزار پیالے ہوں گے۔ ہر پیالہ میں چالیس ہزار قسم کے کھانے ہوں گے۔ صـ ۴۷۲/۲ ——— حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیالہ کو دھو کر پی جایا کرو۔ کیونکہ جو ایسا کرتا ہے۔ وہ ایسا ہے۔ جیسے کسی نے اولادِ آدم اسماعیل میں سے چالیس غلام آزاد کیے۔ صـ ۵۲۶/۲ ———

بقیہ نمبر ۲۰ = ہے۔ کہ اسی طرح پڑھتا رہے۔ چھوڑ نہ دے۔ یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اگر ایک سورۃ شروع کی۔ اور ایک یا دو آیتیں پڑھنے کے بعد دوسری سورۃ شروع کرنے کا ارادہ کیا تو مکروہ ہے۔ اور یہی حکم ہے اُس صورت میں کہ آدھی آیت سے کم پڑھ چکا ہے۔ اگر ایک ہی حرف کم ہو۔ اگر رکوع کے واسطے تکبیر کہہ لی پھر اسی قرأت میں اور زیادتی کرنا چاہی تو اگر رکوع نہیں کر لیا ہے۔ تو مضائقہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اگر صرف الحمد (۲۱) پڑھیں۔ یا الحمد کے ساتھ ایک یا دو آیتیں پڑھیں تو یہ مکروہ ہے۔ یہ محیط میں لکھا ہے۔ جو شخص نماز میں سارا قرآن تمام کرے۔ وہ جب معوذتین یعنی قل اعوذ برب الفلق۔ الناس ایک رکعت میں پڑھ چکے۔ تو دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورۃ بقر میں سے پڑھے۔ یہ خلاصہ میں لکھا ہے اور حجۃ میں ہے۔ کہ قرآن سات قرأتوں اور سب روایتوں سے پڑھنا جائز ہے۔ لیکن میرے نزدیک ٹھیک یہ ہے۔ کہ عجیب قرأتیں اماموں کے ساتھ اور جو غریب روایتوں سے ثابت ہوئی ہیں نہ پڑھے۔ یہ تاتار خانیہ میں لکھا ہے۔ —— نور الحبیب صـ ۴۳ بصیر پور شریف رجب ۱۴۲۱ھ

اکتوبر ۲۰۰۰ء شمارہ ۱۰ – جلد ۱۲

۲۰۰۸-۳-۳
۲۵-۲-۱۴۲۹
بروز منگل
AM ۱۰:۳۰

(امام و خطیب کی شرعی و معاشرتی حیثیت)

(ڈاکٹر نور احمد شاہتاز)

امام مسجد کی اصل ذمہ داری نماز پنجگانہ میں امامت کا فریضہ ادا کرنا ہے۔ اور بس لوگوں کے لیے دینی مسائل کے جوابات دینا اور احکامات شرعیہ کے سلسلہ میں ان کی رہنمائی کرنا۔ دراصل امام مسجد کا نہیں۔ خطیب یا عالم کا منصب ہے۔ کیونکہ شریعت نے امام ہونے کیلئے جو شرائط مقرر کی ہیں۔ ان میں اس کا نماز کے مسائل سے واقف ہونا ایک شرط ہے۔ نہ کہ دین کے جمیع احکام سے واقف ہونا اور ہم یہ بات پہلے کہہ آئے ہیں۔ کہ اگر وہ دین کے دیگر احکام و جزئیات سے واقف ہو تو سبحان اللہ اولیٰ ہے یعنی اگر امام ایسا میسر آئے جو پورا عالم ہو۔ تو یہ علاقہ محلہ والوں کی خوش قسمتی ہے۔ لیکن جہاں مکمل عالم نہ ہو۔ وہاں نماز کے مسائل کے علاوہ دیگر شرعی امور میں امام سے سوال کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ جب معلوم ہے کہ وہ عالم نہیں پھر اس سے اس طرح سوالات کئے جائیں گے تو یا تو وہ اپنی عقل سے سمجھے غلط جیسا بھی بن پڑے گا۔ جواب دے گا۔ یا جواب نہ دے سکنے کی صورت میں خواہ مخواہ نادم ہوگا۔

ہاں امام مسجد کی یہ ذمہ داری ہے۔ کہ وہ لوگوں کو نماز میں سستی و غفلت برتنے پر روک ٹوک کرے۔ اور بچوں اور نوجوانوں کو نماز کا اشتیاق دلائے۔ مقررہ اوقات پر پوری نفاست و طہارت کے اہتمام کے ساتھ نماز پڑھائے۔ اور اس بات کا خیال رکھے۔ کہ اس کی آواز میں، اس کے انداز میں رضائے الہی کا حصول پیش نظر ہو۔ وہ مقتدیوں کو خوش کرنے کی نیت سے خوش الحانی و گلوکاری سے کام نہ لے بلکہ تجوید اور ترتیل کا لحاظ رکھتے ہوئے متوسط آواز سے قرأت کرے اتنی بلند آواز سے زور لگا کر قرأت کرنا کہ جو جہر مفرط کے زمرے میں آتا ہو مکروہ ہے

(باجماعت نماز میں امام کتنی قرأت کرے؟)

نمازوں میں قرأت کا معاملہ بھی لوگوں نے اپنی صوابدید کے مطابق بنا لیا ہے۔ کہیں امام کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ لازمی طور پر مختصر قرأت کرے۔ حالانکہ بظاہر ایسا کوئی عذر نہیں ہوتا۔ کہ امام کو مختصر قرأت پر مجبور کیا جائے کہیں یہ فرمائش کی جاتی ہے کہ وہ فجر کی نماز میں لازماً سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کرے۔ نماز تراویح میں امام سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کہ وہ تیز رفتاری سے پڑھے۔ علیٰ ھذا القیاس، مختلف علاقوں میں مختلف طرح کے مطالبات اور مختلف طرز کی پابندیاں امام پر عائد کی جاتی ہیں۔ اور کچھ آئمہ حضرات اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے بھی قرأت کی مقدار میں کمی

بیشی کرتے رہتے ہیں۔ لاہور کی ایک درسگاہ میں مغرب کی نماز کی ادائیگی کا موقع ملا۔ امام مسجد نے خوب خوش
الحانی اور پوری قوت و طاقت سے (بغیر لاؤڈ اسپیکر کے) طویل سورتوں میں سے آیات کا انتخاب کیا۔ بعد مغرب
کی دونوں رکعتوں میں مجموعی طور پر کوئی چالیس کے قریب آیات تلاوت کیں۔ بعد نماز مغرب امام صاحب
سے ملاقات ہوئی کسی نے تعارف بھی کرا دیا۔ وہ پہلے سے ہمارا نام سن چکے تھے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کو کہا۔ اسی دوران
ہم نے ان سے سوال کیا۔ کہ آپ نے مغرب میں طویل قرأت کی۔ کیوں۔ پہلے تو وہ ٹال گئے۔ مگر میرے اصرار پر انہوں نے
بتایا۔ کہ مغرب کی نماز ہی میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں۔ اور امام کو اس نماز میں ذرا اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملتا
ہے۔ اسی طرح کے خیالات بعض دیگر آئمہ سے بھی سننے کا اتفاق ہو چکا ہے۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ نماز
میں قرأت کی مقدار سے متعلق شرعی مسئلہ واضح کرنے کی غرض سے فقہاء کے اقوال نقل کیے جائیں۔ فتاویٰ
عالمگیری میں ہے۔

(مسائل)

اگر سفر میں اضطرار ہو۔ مثلاً کوئی خوف ہو یا چلنے کی جلدی ہو تو سنت یہ ہے۔ کہ الحمد کے ساتھ
جونسی سورۃ چاہے پڑھ لے۔ اور اگر حضر میں اضطرار ہو۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وقت تنگ ہو یا اپنی جان کا یا مال کا
خوف ہو تو سنت یہ ہے۔ کہ اس قدر پڑھ لے۔ کہ جس سے وقت اور امن فوت نہ ہو جاوے۔ اور سفر میں حالت
اختیار ہو۔ مثلاً وقت میں وسعت اور امن اور قرار ہے۔ تو سنت یہ ہے۔ کہ فجر کی نماز میں بروج یا
مثل اس کے کوئی اور سورت پڑھے۔ تاکہ سنت قرآن کی رعایت اور رخصت سفر کی تخفیف دونوں جمع ہو جاویں
اور ظہر میں بھی اسی قدر پڑھے۔ اور عصر اور عشاء میں اس سے کم اور مغرب میں بہت چھوٹی سورتیں پڑھے اور حضر
میں سنت یہ ہے۔ کہ فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے اور جامع
صغیر میں لکھا ہے۔ کہ ظہر میں بھی مثل فجر کے پڑھے اصل میں ہے۔ کہ یا اس سے کم پڑھے۔ اور عصر اور عشاء میں
الحمد کے سوائے بیس آیات پڑھے اور مغرب کی ہر رکعت میں چھوٹی سورۃ پڑھے۔ اور فقہاء نے یہ مستحسن کہا ہے
کہ حضر میں فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھے اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھے۔ اور مغرب میں چھوٹی
سورتیں پڑھے۔ طوال مفصل سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک کی سورتیں ہیں۔ اور اوساط مفصل سورۃ
بروج سے لم یکن تک۔ اور چھوٹی سورتیں لم یکن سے آخر تک۔ اور تتمیہ میں ہے۔ کہ اگر مکروہ وقت میں
عصر پڑھتا ہو۔ تو بھی ٹھیک یہ ہے۔ کہ قرأت مسنون پوری پڑھے۔ یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ و ترکی

نماز میں الحمد للہ کے سوا کوئی اور سورۃ متعین نہیں ہے۔ پس جو کچھ پڑھ لے بہتر ہے (۱۷) لیکن نبیؐ سے روایت
ہے کہ آپ نے سبح اسم ربک الاعلیٰ اور قل یا ایھا الکافرون۔ اور اخلاص پڑھی ہے۔ پس کبھی تبرکاً
یہ سورتیں پڑھے۔ اور کبھی ان کے سوا اور سورتیں پڑھے۔ تاکہ باقی قرآن کے چھوٹ جانے سے بچ جاوے۔ اور
قرأت مستحبہ پر زیادتی نہ کرے اور نماز کو جماعت پر بھاری نہ کردے۔ (۱۸) لیکن پوری سنت اور مستحب
قرأت ادا کرنے کے بعد تخفیف کا لحاظ چاہیئے۔ اور فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں بہ نسبت دوسری
رکعت کے قرأت (۱۹) طویل کرنا بالاجماع مسنون ہے۔ امام محمدؒ نے کہا ہے۔ کہ میرے نزدیک بہتر ہے۔
کہ سب نمازوں میں پہلی رکعت کو بہ نسبت دوسری رکعت کے دراز کرے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ زاہدی
اور معراج الدرایہ میں لکھا ہے۔ اور حجۃ میں فتویٰ کے واسطے یہی لیا گیا ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اور
اسی طرح خلاف (۲۰) جمعہ اور عیدین میں ہے۔ یہ بدائع میں لکھا ہے۔ اور پھر مشائخ کا ایک اور بھی
اختلاف ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں رکعتوں میں فرق ایک ثلث اور دو ثلث کا ہو یعنی دو ثلث
قرأت پہلی رکعت میں پڑھے۔ اور ایک ثلث دوسری رکعت میں اور شرح طحاوی میں ہے۔ کہ پہلی رکعت میں ۳۰
آیتیں پڑھے۔ تو دوسری رکعت میں دس بیس آیتیں پڑھے۔ یہ محیط میں لکھا ہے۔ یہ بیان اولویت
کا تھا۔ اور حکم یہ ہے۔ کہ فرق اگر بہت ہو۔ مثلاً پہلی رکعت میں ایک یا دو سورۃ پڑھے۔ اور دوسری رکعت میں
تین آیتیں پڑھے تو مضائقہ نہیں یہ ظہیریہ میں لکھا ہے۔ اور جامع صغیر کی بعض شروح میں مذکور ہے۔ کہ
بلا خلاف دوسری رکعت کو پہلی رکعت پر بقدر تین آیتوں کے یا اس سے زیادہ کے طویل کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس
سے کم طویل کرے تو مکروہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ سمرغیناقی نے کہا ہے۔ کہ تطویل کا آیتوں سے اس وقت
حساب ہوتا ہے۔ جب آیتیں برابر ہوں۔ اور اگر آیتیں بڑی چھوٹی ہوں تو کلمات اور حروف سے تطویل کا حساب کیا
جائے گا۔ یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور مکروہ ہے کہ کسی نماز کے واسطے کوئی سورۃ مقرر کرلے طحاوی اور اسبیجابی
نے یہ کہا ہے۔ کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نماز میں اس سورۃ کو اس طرح یقینی واجب سمجھ لے۔ کہ اس کے
سوا اور سورۃ کو ناجائز یا مکروہ سمجھ لے۔ لیکن اگر آسانی کے واسطے کوئی سورۃ مقرر کرلے۔ یا جو سورۃ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی ہے۔ اس کو تبرکاً پڑھا کرے۔ تو اس میں کراہت نہیں۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے۔
کہ اس کے سوا کبھی کبھی اور سورۃ بھی پڑھا کرے۔ تاکہ کوئی جاہل یہ نہ سمجھ لے کہ اس کے سوا اور کوئی سورۃ جائز نہیں

یہ تبیین میں لکھا ہے۔ اور افضل یہ ہے۔ کہ فرض کی ہر رکعت میں الحمد للہ کے سوا ایک پوری سورۃ پڑھے اور
اگر عاجز ہو تو ایک سورۃ دو رکعتوں میں تمام کرلے۔ یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور اگر ایک سورۃ میں سے کچھ ایک رکعت
میں پڑھا۔ اور کچھ دوسری رکعت میں تو بعضوں نے کہا ہے کہ مکروہ ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے۔ مکروہ نہیں ہے۔ اور
یہی صحیح ہے۔ یہ ظہیریہ میں لکھا ہے۔ لیکن ایسا کرنا نہیں چاہیے۔ اور اگر کرے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہ خلاصہ
میں لکھا ہے۔ اگر ایک رکعت میں ایک سورۃ کے بیچ میں سے یا اخیر میں سے پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسری سورۃ
کے درمیان یا اخیر سے پڑھے۔ تو ظاہر روایت کے بموجب ایسا کرنا نہ چاہیے۔ لیکن اگر کرے تو مضائقہ نہیں۔ یہ ذخیرہ
میں لکھا ہے۔ اور حجتہ میں ہے۔ کہ ایک رکعت میں ایک سورۃ کا آخر پڑھا۔ اور دوسری رکعت میں کوئی چھوٹی سورۃ پڑھلی
مثلاً ایک رکعت میں امن الرسول کا رکوع پڑھا اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی تو مکروہ نہیں۔ یہ تاتارخانیہ
میں لکھا ہے۔ دونوں رکعتوں میں آخر سورۃ پڑھنا ایسی پوری چھوٹی سورۃ پڑھنے سے افضل ہے۔ جس کی بہ نسبت آخر
سورۃ کا ٹکڑا آیتوں میں زیادہ ہو اور اگر چھوٹی پوری سورۃ اس آخر سورۃ سے آیتوں میں زیادہ ہو تو سورۃ قصیرہ
کا پڑھنا افضل ہے۔ یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔ اور ایک طویل آیت جیسے آیت المداینہ یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا چاہیے۔
تو اس کی اولویت میں بعض اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے۔ کہ اگر تین آیتیں ایک چھوٹی سورۃ کے برابر ہو جاویں
تو انہیں کا پڑھنا افضل ہے۔ یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے۔ اور اگر ایک رکعت میں ایسی دو سورتیں پڑھے کہ ان دونوں
کے درمیان ایک یا کئی سورۃ کا فصل ہے تو مکروہ ہے۔ اور اگر دو رکعتوں میں دو سورتیں پڑھے تو اگر ان دونوں
میں کئی سورۃ کا فصل ہے۔ تو مکروہ نہیں اور اگر ایک سورۃ کا فصل ہے۔ تو بعضوں نے کہا ہے مکروہ ہے۔ اور
بعضوں نے کہا ہے کہ اگر بڑی سورۃ کا فصل ہے۔ تو مکروہ نہیں یہ محیط میں لکھا ہے۔ جیسے کہ دو چھوٹی سورۃ
کا فصل میں مکروہ نہیں یہ خلاصہ میں لکھا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے۔ کہ کسی حالت میں مکروہ نہیں۔ اور اگر
ایک رکعت میں ایک سورۃ پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ پڑھی تو مکروہ ہے۔
اسی طرح اگر ایک رکعت میں ایک آیت پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی آیت پڑھی۔
تو مکروہ ہے۔ اور اگر ایک رکعت میں یا دو رکعتوں میں دو آیتیں ایسی پڑھیں جن کے درمیان میں ایک یا
کئی آیتوں کا فصل ہے۔ تو ان کا حکم وہی ہے۔ جو سورتوں کا حکم مذکور ہو چکا ہے یہ محیط میں لکھا ہے۔ یہ سارا
بیان فرضوں کا تھا سنتوں میں مکروہ نہیں۔ یہ محیط میں لکھا ہے۔ اگر ایک رکعت میں ایک سورۃ پڑھے تو مختار یہ

بقیہ ص 14

قربانی کے فضائل

10 ذوالحجہ کو رب تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے حلال جانوروں کا ذبح کرنا اسلامی شریعت کی اصطلاح میں قربانی کہلاتا ہے۔ یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت کے تابندہ اور تاقیامت باقی رہنے والے انمٹ نقوش میں سے ہے۔ جس کی ہم سب مسلمان پیروی تو ضرور کرتے ہیں۔ مگر راہ خدا میں قربان کیئے جانے والے جانوروں پر۔ رحم اس انداز میں نہیں کرتے۔ جس کے یہ جانور مستحق ہوتے ہیں۔ ان جانوروں کو قصاب کے رحم و کرم پر چھوڑتے ہیں۔ جہاں قصاب عموماً دوسری جگہ قربانی کرنے کی نیت سے جانے کیلئے بے تاب ہوتا ہے۔ اکثر آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ قصاب جانوروں کو زمین پر گرا کر اسکی گردن پر پاؤں رکھے ایک چھری کو دوسری چھری سے باہم رگڑ کر تیز کر رہا ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ ان دونوں چھریوں کو ہوا میں بھی لہرا رہا ہوتا ہے۔ اس سارے عمل کو جانور دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جونہی قصاب چھری تیز کرنے کے عمل سے فراغت پاتا ہے۔ تو وہ فوراً جانور کی گردن کو ایک زوردار جھٹکے سے موڑ کر اس پر چھری چلاتا ہے۔ جیسے ہی جانور کی گردن کے اوپر والی موٹی جلد کٹتی ہے۔ تو پھر قصاب ایک زوردار جھٹکے سے اس کا منکا توڑ دیتا ہے۔ تب چھری کی نوک سے اسکی بقایا موجودہ نسیں کاٹتا ہے۔ ساتھ ہی سامنے نظر آنے والی حرام مغز کی بتی کو بھی مکمل طور پر کاٹ دیتا ہے۔ دماغ اور جسم کے درمیان جو رابطہ حرام مغز کی بتی کے ذریعے ہوتا ہے۔ یکدم کٹ جانے سے جانور کو فوراً ایک زوردار جھٹکا لگتا ہے۔ اور پھر وہ یکایک ساکت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسی دوران اس کے اندر بہت سارا خون موجود ہوتا ہے۔ جو گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے وقت بہہ رہا ہوتا ہے۔ جو حرام مغز کی بتی کے کٹ جانے کی وجہ سے باہر نہیں نکل پاتا۔ قصاب ایسا کچھ اس لیئے کرتے ہیں۔ تاکہ وہ جلد از جلد اس سے فارغ ہو کر دوسری جگہ جائیں۔ اگرچہ ہمارا مذہب ہمیں قربانی کے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیتا ہے۔ اس سلسلے میں۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کا رویہ اختیار کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ جب تمہیں

کسی کو قصاص یا میدان جنگ وغیرہ میں قتل کرنا ہو۔ تو اسے بھی اچھی طرح سے جلد از جلد
انجام دو۔ اور اگر جانور کو ذبح کرنے لگو۔ تو بھی اچھے انداز میں چابک دستی سے ذبح کرو
اور چھری کو اچھی طرح تیز کر لو۔ اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔ اچھی طرح سے اور اچھے انداز میں
کا مطلب جلد از جلد اور چابک دستی سے ہی ہے۔ جیسا کہ ذیل کی حدیث شریف سے واضح
ہوتا ہے۔ چھریوں کو جانوروں سے چھپاؤ۔

حضور اکرم ﷺ نے چھریوں کو تیز کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ کہ اسے جانوروں سے
چھپایا جائے۔ اور کہا کہ جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو چھری پھیرنے پر جلدی کرو۔ ایک
بار حضور اکرم ﷺ نے دیکھا۔ کہ ایک شخص بکری کے سامنے چھری تیز کر رہا تھا۔ تو
آپ نے فرمایا۔ کہ تم اسے جیتے جی ہی مار رہے ہو۔ جانوروں کو ذبح ہو جانے میں حتی
الواسع خون نکل جائے۔ طبعاً ٹھنڈا ہو کر بے حس و حرکت اور ساکت ہو جانے تک
اس کی کھال میں جلدی نہ کی جائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ
سے فرماتے ہیں۔ جانوروں کی روح نکالنے میں جلدی نہ کرو۔ حتیٰ کہ خود نکل جائے۔

ان تعلیمات نبوی کا تقاضا یہ ہے۔ کہ جانور کو پہلے کھلا پلا کر خوش کیا جائے
اسے آرام و اطمینان سے بھی کسی بھی طرح دہشت زدہ کیے بغیر۔ نرم زمین پر لٹایا جائے
چھری کو پہلے سے تیار کیا ہو۔ اسے جانور کے سامنے ہرگز نہ تیز کیا جائے۔ تکبیر سے پہلے اگر
جانور کو گرانا مقصود ہو تو اس کی ماتھے آنکھوں پر پٹی یا اس کے لمبے کان ڈال دیئے جائیں۔ تاکہ
جانور کسی بھی طرح خوفزدہ نہ ہو۔ جانور کا منہ قبلہ کی جانب ہونا لازم ہے۔ مگر جانور کی
قربانی کرتے وقت۔ قصاب عموماً بسم اللہ اللہ اکبر۔ کہنے کی بجائے۔ دوسرا ساتھی کو
ہدایت جاری کر رہا ہوتا ہے۔ کہ اس کی ٹانگ کھینچو۔ یا گردن کو پکڑو۔ وغیرہ۔
جونہی قصاب نے چھری چلائی۔ ادھر سے پکڑو۔ پکڑو۔ کی آوازیں بلند ہوتی
ہیں۔ جو سراسر غیر شرعی فعل ہے۔ اس سلسلے میں قصاب میں شعور پیدا کرنا
لازم ہے۔ کیونکہ قربانی کا جانور شرعی اصولوں کے مطابق ذبح کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ

ذبح کرنے والا۔ مسلمان عاقل ہو۔ ناسمجھ بچہ قربانی کے جانور کو ذبح نہیں کر سکتا
اگر صاحب قربانی خود ذبح کرنا جانتا ہو تو وہ اس جانور کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح
کرے۔ تو زیادہ بہتر ہے۔

10 ذوالحجہ سنتِ ابراہیم پر عمل پیرا ہونے کا دن۔ اشفاق احمد بھٹی۔
روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ 10 جنوری 2006ء

مفتی خورشید احمد نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو بشارت قربانی تو
آپ نے بغیر حیل و حجت اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کیلئے پیش کیا۔ لہذا ہمیں
بھی چاہیئے۔ کہ احکامات خداوندی پر عمل پیرا ہو کر زندگی بسر کریں۔

تقریب میں حافظ مشتاق احمد نے کہا کہ مسلمانوں کے سال کا آغاز قربانی
حسین سے شروع ہوتا ہے۔ اور سال کا اختتام قربانی اسماعیل ذبیح اللہ پر ہوتا ہے۔
جس سے مسلمانوں کو سبق سیکھنا چاہیئے۔

روزنامہ خبریں ملتان صفحہ 5

قربانی ریاکاری۔ دنیاداری حیلے داری اور 10 جنوری 2006ء
دکھاوے کے لئے نہیں ہونی چاہیئے۔ قربانی کے گوشت کو اپنے فریج اور فریزر کی زینت یا
گوشت کو خشک کر کے سال بھر کھانا کسی صورت قربانی نہیں کہلائی جا سکتی۔ بلکہ غریبوں
مسکینوں اور مستحقین تک قربانی کے گوشت پہنچانے سے ہی قربانی کہلائی جا سکتی ہے
اس لئے ہمیں قربانی کا گوشت اس کے مستحقین میں صحیح تقسیم کرنا چاہیئے۔

مسعود احمد خان نیازی

صفحہ 10 جنوری 2006 خبریں۔

عیدالاضحیٰ پر قربانی کرنا سنت ابراہیمؑ ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ عظیم واقعہ منسلک
ہے۔ کہ حضرت ابراہیم نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پانے کے بعد اپنے
عزیز ترین صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کا سوچا

کہتے ہیں اس وقت جب حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کے گلے پر چھری پھیر رہے تھے۔ تو
تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک دنبہ حاضر کیا گیا۔ اور غیب سے آواز آئی۔ ابراہیم ہم
نے تمہاری قربانی کو قبول کیا۔ عید قربان پر صاحب استطاعت افراد بکروں، دنبوں
گائے، اونٹ کی قربانی کر کے سنت ابراہیمی کی یاد کرتے ہیں۔
دوستو، بات دراصل ایثار و قربانی کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنے کی ہے۔ اللہ
تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم انسان دوسرے کا احساس کریں۔ اور ضرورت پڑنے پر ایثار
و قربانی سے کام لیں۔ اپنے مال میں سے ضرورت مندوں پر خرچ کریں۔ اور ایسا
کرتے وقت یہ جذبہ پیش نظر ہو کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب
بے حد و حساب ہے۔ اسی لئے دوستو۔ عید قربان ہم سب کو یہی درس دیتی ہے کہ
ہم اس جذبے کو اپنے اندر پیدا کریں۔ اور دوسروں کے دکھ درد کا احساس کریں۔
اور یہ ہمارا احساس بڑا قیمتی ہے۔

روزنامہ جنگ ۱۰ جنوری 2006ء
سعدیہ قریشی ص ۱۵

پنجوقتہ فرض نمازوں کی کل رکعات ۱۷ ہیں۔ اور محمد رسول اللہ کے کلمات قرآن کریم کی
سورۃ فتح کی آیت نمبر ۲۹ میں آئے ہیں۔ اس کلام الٰہی میں ۳ کلمات اور ۱۲ حروف
ہیں۔ اگر ان کے اکائی۔ دہائی۔ کے نمبروں کو جمع کیا جائے ۱۷ کا عدد حاصل ہوگا۔
اور پنجوقتہ فرض نمازوں کی کل رکعات بھی ۱۷ ہیں۔

آیت مبارکہ ۲۹ کلمات ۳ حروف ۱۲ = 17
فجر ۲ ظہر ۴ عصر ۴ مغرب ۳ عشاء ۴ = 17
اور غزوہ بدر بھی ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو ہوا

نور الحبیب ج ذی الحجہ ۱۴۲۰ ستمبر 1999 ص ۱۷

عقیقہ کی شرعی حیثیت

موجودہ دور میں فروعی اور متنازعہ فیہ
مسائل سے احتراز اور اختلافی مباحث سے اجتناب پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس
دور خلفشار میں اتحاد و یگانگت کی جتنی ضرورت ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ لیکن بعض لوگ چند
ضعیف اور شاذ روایات کا سہارا لیتے ہوئے ایسے مسائل پر خامہ فرسائی کر کے ملت کے
اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں۔ جن پر اکابر امت کا اجماع رہا ہے۔
۲۲ نومبر کے روزنامہ جنگ میں پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا عقیقہ کے بارے میں مضمون بھی اسی
سلسلہ کی ایک کڑی قرار دی جا سکتی ہے۔ ــــــ عقیقہ جیسے مسئلہ پر جو یکسر فروعی
ہے۔ بحث کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا تاہم چونکہ اس مضمون میں پروفیسر صاحب نے حقائق کے
برعکس صورت حال پیش کرتے ہوئے۔ عقیقہ کو جرم کے قریب ناجائز فعل ثابت کرنے کی کوشش
کی ہے۔ لہذا فوری طور پر چند سطور نذر قارئین ہیں تا کہ اصل صورت حال سے آگاہی ہو سکے۔

عقیقہ کے جواز میں بخاری ترمذی ابوداؤد وغیرہ کتب احادیث کے علاوہ پروفیسر صاحب
کی قابل اعتماد کتاب "نیل الاوطار" میں بھی بہت سی احادیث نقل کی گئی ہیں جن
سے عقیقہ کا جواز روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف
یہ کہ خود اپنا عقیقہ فرمایا۔ بلکہ اپنے نواسوں حضرت حسنین کریمین رض کا بھی عقیقہ کیا
اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیا۔ اختصار کے پیش نظر صرف دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت سلمان بن عامر رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مع
الغلام عقیقۃ فاھریقوا عنہ دما۔ (بخاری ص ۸۲۲ ج ۲، ترمذی ۱۸۳ جلد ۱)
(یعنی بچہ کے ساتھ عقیقہ ہے۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ۔ یعنی جانور ذبح کرو)

(۲) حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن الحسن والحسین
کبشا کبشا (ابوداؤد ص ۳۹۲ ج ۲) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن اور امام حسین
رض کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا (بعض روایتوں میں دو دو مینڈھوں کا ذکر ہے)
مذاہب اربعہ کے جمہور فقہا کا عقیقہ کے جواز پر اجماع ہے۔ چنانچہ امام شافعی

امام احمد بن حنبل امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ اور احناف
کے ہاں مباح و مستحب ہے۔ پروفیسر موصوف نے نیل الاوطار کے حوالے سے
امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب ایک قول نقل کیا ہے۔ جس میں عقیقہ کو جاہلیت کی رسم
قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ کتاب مذکور کے اسی صفحہ پر قاضی شوکانی نے امام صاحب
کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ کہ آپ کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے۔ یہ قول احادیث کے
عین مطابق ہے۔ جبکہ پروفیسر صاحب کے ذکر کردہ قول کی نسبت امام صاحب کی طرف درست
نہیں۔ مشہور حنفی عالم اور محدث علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ م
(۸۵۵ھ) فرماتے ہیں۔ کہ امام صاحب کی طرف عقیقہ کو خلافِ شرع کہنے کی نسبت محض
افتراء اور بہتان ہے۔ آپ نے عقیقہ کی مطلقاً نفی نہیں کی۔ بلکہ سنتِ مؤکدہ ہونے کی
نفی کی ہے۔ "قلت ھذا افتراء فلا یجوز نسبتہ الی ابی حنیفۃ و حاشاہ ان
یقول مثل ھذا و انما قال لیست بسنۃ فمرادہ اما لیست بسنۃ ثابتۃ و اما
لیست بسنۃ مؤکدۃ" (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۸۳ ج ۲۱)

ہاں البتہ بچہ کی پیدائش پر ذبح کیے گئے جانور کو عقیقہ کا نام دینا نامناسب ہے
کیونکہ یہ عقوق سے مشتق ہے۔ اور اس میں کاٹنے اور قطع تعلق کے معنی پائے جاتے
ہیں۔ چونکہ یہ محض شکرانہ کے طور پر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسے نسیکہ کے نام سے
تعبیر کیا جانا چاہیے۔

زمانہ جاہلیت میں عقیقہ کے جانور کے خون سے بچے کا سر آلودہ کر دیا جاتا تھا۔ اسلام
نے جاہلیت کی یہ رسم ختم کر دی اور جانور کے ذبح کرنے کو باقی رکھا۔ جیسا کہ ابوداؤد
ص ۳۹۳ ج ۲ میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مستفاد ہے۔ بدائع الصنائع کے
حوالے سے پروفیسر صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے۔ قربانی نے پہلے سے مروج تمام
قربانیوں کو منسوخ کر دیا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ عقیقہ کا وجوب منسوخ ہو گیا
ہے۔ جائز اب بھی ہے۔ تعجب ہے کہ پروفیسر صاحب کو فتاویٰ عالمگیری میں عقیقہ

کے بارے میں کراہت کے سوا کوئی دوسرا نقطہ نظر نہیں ملا۔ حالانکہ اس کے جلد ۴ ص ۱۱۵ میں عقیقہ کی تعریف کے بعد بڑے وثوق سے تحریر کیا گیا ہے۔ مباحۃ لا سنۃ ولا واجبۃ۔ یعنی عقیقہ سنت یا واجب نہیں بلکہ جائز و مباح ہے۔ فقہ حنفی کی نہایت معتبر کتاب ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ بڑی وضاحت سے اس کا جواز ثابت کرکے بحث کا ماحاصل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

گذشتہ کلام سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عقیقہ مستحب ہے۔ تاہم اگر جائز ہی کہا جائے۔ جب بھی شکرانہ کی نیت سے تقرب الہی کا ذریعہ بن جائیگا۔ کیونکہ نیت صالحہ سے عادات اور مباحات بھی عبادت بن جاتے ہیں (ص ۲۸۵ ج ۵) نیز اسی کتاب کے ص ۲۹۳ اور عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں بھی علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے بڑی وضاحت سے عقیقہ کا استحباب ثابت کیا ہے۔ ——— احادیث اور فقہائے کرام کی تصریحات سے عقیقہ کا جواز اظہر من الشمس ہے۔ بلاوجہ نا جائز کہنا درست نہیں۔ کیونکہ عدم جواز کیلئے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔ ورنہ قاعدہ فقہیہ مستنبط از احادیث و آیات طیبہ یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ اور یہ مسئلہ تو حضور کے مبارک فعل سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے قربانی واجب ہونے کے بعد عقیقہ کیا۔ اگر قربانی کے وجوب کے بعد عقیقہ کو مکروہ یا منسوخ کہا جائے۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو حضور عقیقہ کو منسوخ کہیں۔ اور دوسری طرف حسنین کریمین کا عقیقہ کرکے خود اس کا عملی ثبوت دیں۔ واضح رہے۔ کہ قربانی پہلی یا دوسری ہجری میں واجب ہوئی۔ جبکہ امام حسن مجتبیٰ ۳ھ میں اور امام حسین ۴ھ میں پیدا ہوئے۔

سلہ یہ مضمون تحریر کر چکا تھا۔ کہ حاشیہ موطا امام مالک کی یہ عبارت نظر سے گزری جس سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے = ان مشروعیۃ الا ضحیۃ فی الاول من الھجرۃ وعقیقۃ الحسنین فی السنۃ الثالثۃ او الرابعۃ و حدیث ام کرز فی عام الحدیبیۃ سادس الھجرۃ والعقیقۃ عن ابراہیم کان تاسع الھجرۃ (حاشیہ کشوف المغطا عن وجہ الموطا ص ۲۹۳)

قربانی ہجرت کے ابتدائی سال شروع ہوئی۔ اور حسنین کریمین کا عقیقہ تین یا چار ہجری میں کیا گیا۔ جبکہ ام کرز کی روایت جس میں حضور نے عقیقہ کا حکم دیا۔ سال ۶ ھ کی ہے۔ اور حضور نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کا عقیقہ ۹ ھ میں کیا۔

پروفیسر صاحب نے لڑکے اور لڑکی کے مابین امتیاز و تفریق پر بڑی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ لڑکے کیلئے تو دو جانور ذبح کیے جائیں۔ اور لڑکی کیلئے صرف ایک۔ اسی وجہ سے انہوں نے عقیقہ ہی کو مکروہ بنانے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر شاید وہ بھول گئے کہ ہر جگہ مرد و عورت کا حکم مساوی نہیں ہوا کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو ہر حال فضیلت دی ہے قرآن کریم میں ہے۔ الرجال قوامون علی النساء ـــــ الخ (النساء ۳۴) مرد افسر ہیں عورتوں پر۔ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ نیز ارشاد فرمایا۔ الذکر مثل حظ الانثیین (النساء ۱۱) بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے) شرعی احکام مثلاً وراثت اور شہادت وغیرہ کے باب میں عورت کا حق نصف رکھا گیا ہے۔ کیونکہ مرد پہ زیادہ ذمہ داریاں رکھی گئی ہیں۔ اسے شرف و بزرگی سے نوازا گیا۔ لہذا اس کی پیدائش پر شکر بھی زیادہ ادا کیا جانا چاہیے۔ تو اس موقع پر اگر لڑکے کے عقیقے میں دو جانور ذبح کر دیئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ اگرچہ ایک پر اکتفا بھی درست ہے۔ کیونکہ روایات دونوں طرح ملتی ہیں مرد و عورت کے حقوق میں امتیاز و تفریق کی بات کرنا۔ دراصل خالق کائنات کی حکمت و مشیت پر حرف گیری کے مترادف ہے۔ یا پھر اعدائے اسلام کے اس نظریہ کو تقویت دینے کا ناکام کوشش ہے کہ اسلام میں عورت کو مظلوم رکھا گیا ہے۔ اللہ اس سے بچائے۔

بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی کی رو سے عقیقہ واجب یا سنت مؤکدہ تو نہیں۔ البتہ جائز و مستحسن ضرور ہے۔ لہذا عقیقہ کرنے سے روکا نہ جائے۔ اور نہ اس کے ترک پر ملامت کی جائے۔ نور الحبیب ص ۳۶ ربیع الاول جلد ۳

— ο —

[signature]

۲۲-۷-۲۰۰۶

قاری محمد عباس نظامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کے علم یا دلائل قرآن وسنت سے

(۱) وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً بقرہ ۵۱ پارہ نمبر ۱ اور جب ہم نے موسیٰ سے ۴۰ رات کا وعدہ فرمایا فرعون اور فرعونیوں کے ہلاکت کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر کی طرف لوٹے اور ان کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے عطائے توریت کا وعدہ فرمایا۔ اور اس کے لیے میقات معین کیا جس کی مدت معہ اضافہ ایک ماہ دس روز تھی۔ مہینہ ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ و جانشین بنا کر توریت حاصل کرنے کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ چالیس شب وہاں ٹھہرے اس عرصہ میں کسی سے بات نہ کی اللہ تعالیٰ نے زبرجدی الواح میں توریت آپ پر نازل فرمائی (خزائن العرفان)

(۲) جناب حضرت عزیر علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی جب آپ گھر سے آئے تھے۔ جب آپ کو اللہ نے سو سال تک وفات میں رکھا خزائن العرفان زیر آیت بقرہ ۲۵۹

(۳) قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ مائدہ ۲۶ فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے۔ چالیس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم ان بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔ وہ زمین جس میں یہ لوگ بھٹکتے پھرے۔ نو فرسنگ تھی۔ اور قوم چھ لاکھ جنگی جو اپنے سامان لیے تمام دن چلتے تھے۔ جب شام ہوتی۔ تو اپنے کو وہاں پاتے جہاں سے چلے تھے۔ یہ ان پر عقوبت تھی۔ سوائے حضرت موسیٰ و ہارون و یوشع و کالب کے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے آسان فرمائی۔ اور ان کی اعانت کی۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کو سرد اور سلامتی بنایا۔ اور اتنی بڑی جماعت عظیمہ کا اتنے چھوٹے حصہ زمین میں ۴۰ برس آوارہ و حیران پھرنا۔ اور کسی کا وہاں سے نہ نکل سکنا۔ خوارق عادت میں سے ہے۔ جب بنی اسرائیل نے اس جنگل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کھانے پینے وغیرہ ضروریات اور تکالیف کی شکایت کی

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ان کو آسمانی غذا من و سلویٰ عطا فرمایا۔ اور لباس خود ان کے بدن پر پیدا کیا۔ جو جسم کے ساتھ بڑھتا تھا۔ اور ایک سفید پتھر کوہ طور کا عنایت کیا۔ کہ جب رخت سفر اتارتے اور کسی وقت ٹھہرتے۔ تو حضرت اس پتھر پر عصا مارتے اس سے بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کے لئے بارہ چشمے جاری ہو جاتے۔ اور سایہ کرنے کے لئے۔ ایک ابر بھیجا اور کہا گیا ہے۔ کہ تیہ میں ہی حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے چالیس برس بعد حضرت یوشع کو نبوت عطا کی گئی۔ اور جبارین پر جہاد کا حکم دیا گیا۔ (خزائن العرفان)

(۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا اللہ جل جلالہ * یا محمد ﷺ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

حضرت سیدنا و مولانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا و مولانا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا و مولانا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا و مولانا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

فتاویٰ نظامیہ

حضور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ
سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا
حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ
حضرت سیدنا امام حسن
حضرت سیدنا امام حسین
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

قاری محمد عباس نظامی

(نام محمد ﷺ)

(۱) انگوٹھے چومنے کے متعلق علمائے اسلام کے دلائل اور ان کا حکم

جواب حضور پر نور سید عالم محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سنتے وقت انگوٹھے اور شہادت کی انگلیوں کو چوم کر آنکھوں سے لگانا یقیناً جائز ہے۔ بلکہ باعثِ برکت وخیرات ہے۔ چنانچہ ہم اس مقام پر چند حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ ایمان تازہ ہو۔

۱- سیدنا حضرت صدیقِ اکبرؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب نے موذن کو اشہدان محمدًا رسول اللہ کہتے سنا۔ تو یہ دعا پڑھی۔ تو اشہدان محمدًا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا اور دونوں شہادت کی انگلیوں کے پورے اندر کی طرف سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ جو ایسا کرے۔ جیسا میرے اس پیارے نے کیا۔ اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے۔ (۲) حضرت سیدنا خضر علیہ السلام سے روایت ہے۔ کہ جو شخص موذن سے اشہدان محمدًا رسول اللہ سن کر کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبد اللہ یعنی مرحبا میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے۔ اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔ ایسے ہی حضرت امام حسن نے فرمایا۔ (۳) یہ حدیثیں نہ غلط ہیں نہ موضوع ہیں۔ اور نہ ہی بناوٹی ہیں۔ لہٰذا جو شخص صاحب غلط یا موضوع بتائے وہ ثبوت لائے۔ جو شخص انگوٹھے چومنے سے منع کرے۔ اس پر لازم ہے۔ کہ ممانعت کی دلیل لائے۔ نور الحبیب ص ۳۶ ربیع الاول ۱۴۰۹ ستمبر اکتوبر ۱۹۸۸ - (ماخوذ از ماثبت بالسنۃ و دیگر کتب حدیث)

اذان میں حضور علیہ السلام کا نام سن کر انگوٹھے چومنا مستحب ہے۔ بحر الفقہ حنفی کی مشہور کتاب طحطاوی شریف ص ۱۲۲ مطبوعہ مصر (نور الحبیب ص ۱۷ مرحق)

علمائے دیوبند کے مستند عالم دین مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی اپنے فتاویٰ میں راقم ہیں۔ فقہیا مستحب نوشتہ اند وحدیثے ہم درین باب نقل مے سازند و درام مستحبا فاعل وتارک ہر دو قابل ملامت وتشنیع نیستند در جامع الرموز مے آرد اعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاول من الشہادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ و عند

سماع الثانیۃ قرۃ عینی بک یارسول اللہ ثم یقال اللھم متعنی بالسمع والبصر
بعد وضع ظفر الیدین علی العینین فانہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قائدالہ الجنۃ
کذا فی کنزالعباد الہتی ۔ فقہاء نے انگوٹھے چومنا مستحب لکھا ہے ۔ اور ثبوت میں
حدیث بھی پیش کرتے ہیں ۔ مستحب کام کرنے یا چھوڑنے والا قابل ملامت نہیں ہوتے ۔
جامع الرموز میں لکھا ہوا ہے ۔ جان لو بے شک یہ مستحب ہے کہ پہلی دفعہ اشھدان
محمد رسول اللہ سنکر یہ کہا جائے صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور جب دوسری بار سنے تو
کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ اور پھر یہ کہا جائے ۔ اللھم متعنی بالسمع والبصر اور
اس کے بعد اپنے ہاتھوں کے ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھا جائے اس لئے کہ جو ایسا
کرے گا حضور علیہ السلام بہشت کی طرف اس کی قیادت فرمائیں گے ۔ کنزالعباد میں بھی اسی
طرح ہے ۔ مجموعہ فتاوی عبدالحی جلد ۳ ص ۴۲ = مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں ۔ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے سے آنکھیں نہیں دکھیں گی (دیوادر النور
ص ۹ ص ۴ << (بحوالہ یارسول اللہ کہنے کا جواز ۔ علامہ سراج احمد سعیدی اکتوبری ص ۲۸)
علامہ شامی نے کنزالعباد سے نقل کیا ہے ۔ کہ شہادتین کے وقت اذان کے دوران ایسا کرنا
مستحب ہے ۔ فتاوی دارالعلوم جلد ۲ ص ۹۵ = استحباب تقبیل ابہامین کی دلیل شامی
کی یہ عبارت ہے ۔ عبارت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں ۔ آخر عبارت شامی سے یہ بھی واضح ہوا ۔ کہ کوئی
مرفوع حدیث صحیح اس بارے میں نہیں ہے ۔ غایت یہ کہ ضعیف حدیث پر بھی فضائل اعمال
میں عمل کرنا درست ہے ۔ مگر اس کی شرط یہ ہے ۔ کہ اس فعل کو مسنون نہ سمجھے ۔
مستحب ثبوت کیلئے رسالہ انگوٹھے چومنے کا ثبوت (فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد ۲ ص ۱۰۶)
محمد فیض احمد اویسی کا پڑھیں ۔ اس کے علاوہ فتاوی نوریہ ۔ جلد ۱

اوجھڑی کا مسئلہ (۲)

امام اہل سنت مفتئ اعظم پاکستان شیخ الحدیث والتفسیر علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب قدس سرہ العزیز (حزب الاحناف لاہور) کا فتویٰ۔

س - حلال جانور میں کون کون سے عضے کھانے حرام ہیں نیز بکرے کے کپورے کے بارے میں کیا حکم ہے۔؟ (ریاض احمد جماعت دہم حافظ آباد)

ج - بہتر مادہ کی شرمگاہ - پتہ - حرام مغز - کپورہ - خون - پٹھا (مثانہ)

اگر اوجھڑی خوب صاف کرلی جائے کہ اس میں بالکل بو باس نہ رہے تو بلا کراہت جائز ہے (کذا فی البدائع) پنجاب میں کپورہ کھانے کا بکثرت رواج ہے۔ اور بعض کباب فروش ایک ہی توے میں گردے - کباب کی ٹکیاں تلتے ہیں اور ساتھ ہی اسی چربی، گھی یا تیل میں کپورے بھی بھونتے ہیں۔ اور کپوروں کا عرق ان کبابوں میں بھی شامل ہوتا ہے۔ وہ بھی کپوروں کی طرح حرام و ممنوع ہو جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم ورسولہ)

ماہ نامہ رضوان لاہور ۷ تا ۱۴ مارچ ۱۹۵۴

(ماخوذ) ماہ نامہ نور الحبیب بصیر پور شریف صفحہ ۳ جنوری ۲۰۰۵ ذوالحجۃ ۱۴۲۵ جلد ۱۷ شمارہ ۱

(محمد محب اللہ نوری قادری)

Mabbas

۲۸-۲-۲۰۰۸

۲۲-۲-۱۴۲۹

بروز جمعرات AM:۸:۳۸

(ادھار کا قرض) (۳)

س - زید جو مال نقد خریدنے والوں کو دس روپے میں دیتا ہے۔ وہی مال ادھار خریدنے
والوں کو بارہ روپے میں دیتا ہے۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں - ؟

ج - (۱) جو مال نقد خریدنے والوں کو دس روپے میں دیتا ہے وہی مال ادھار خریدنے والوں
کو دس روپے کی بجائے بارہ، پندرہ یا اس سے زیادہ میں دینا جائز ہے۔ جیسا کہ اعلیحضرت
امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔ قرضوں پیچھے میں دام زائد
لینا کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ باہمی تراضی بائع ومشتری پر ہے۔ قال اللہ تعالیٰ الا
ان تکون تجارۃ عن تراض منکم (فتاوی رضویہ جلد ۶ ص ۴۷۲) فتاوی فیض الرسول ص ۳۸۸/۲

(۲) بے شک قیمت خرید سے بہت زیادہ دام بڑھا کر بیچنا کوئی گناہ نہیں کہ ہر شخص کو اختیار ہے۔
چاہے۔ تو ایک روپیہ کی چیز ہزار روپے میں بیچے خریدار کو غرض ہو تو لے رد المختار میں ہے۔
لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ اھ شخص مذکور اگر بہت زیادہ دام بڑھا کر بیچتا ہے۔
تو اس میں خود اس کا نقصان ہے۔ کہ لوگ اس کو چھوڑ کر ایسے شخص سے خریدیں گے جو کم نفع
لیتا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم فتاوی فیض الرسول جلد ۲ ص ۳۹۶ یعنی ہم جنس وہم وزن چیزوں
کی بیع میں زیادتی کمی بھی حرام ہے اور ادھار بھی حرام۔ برابر دو۔ اور دو طرفہ نقد دو۔ اور ہم
وزن تو ہوں۔ مگر ہم جنس نہ ہوں جیسے گندم و جو۔ یا ہم جنس تو ہوں ہم وزن نہ ہوں۔ جیسے
اخروٹ یا انڈے۔ کہ گن کر فروخت کیے جاتے ہیں۔ تو ان میں زیادتی کا کمی جائز۔ مگر ادھار حرام
اور جنس ووزن دونوں میں مختلف ہوں۔ تو کمی بیشی بھی حلال اور ادھار بھی درست جیسے
روپیہ پیسہ سے مذکورہ چیزوں کی خریداری وقت چونکہ ان کی جنس مختلف ہیں۔ لہذا
ان میں زیادتی کمی حلال ہے۔ لیکن ہم وزن میں ادھار حرام ہوگا (مرقات و لمعات) بحوالہ
مراۃ المناجیح جلد ۴ ص ۲۹۷ روپیہ یا گندم یا کھجوریں ادھار لی جائیں۔ کہ چند روز کے
بعد ایسا ہی مال واپس کر دیا جائے گا۔ اس میں زیادتی حرام۔ اور اس کی میعاد کوئی نہیں۔
اور دین خلاف جنس ادھار کو کہتے ہیں۔ مثلاً غلہ آج خرید لیا۔ اس کی قیمت پھر دیں گے اس
میں زیادتی بھی حلال اور میعاد بھی معتبر ہے آیت۔ یا ایہا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی

اجل مسمًّى البقرۃ ۲۸۲ پارہ ۳ - (احمدی مکتبہ ونیئر صحا) بحوالہ تفسیر نعیمی صفحہ 175 / ۳

اللہ تعالیٰ نے بیع کو جائز کہا ہے۔ اور سود کو ناجائز کہا ہے۔ اور ان میں فرق بالکل واضح ہے۔ ہم دوکاندار سے پانچ روپیہ کی چیز چھ روپے میں بخوشی خرید لیتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ ہر چند کہ یہ چیز پانچ روپے کی ہے۔ لیکن اس چیز پر دوکاندار کی محنت، دیانت اور وقت کا خرچ ہوا ہے۔ اور اس ایک زائد روپے کو ہم اس کی ذہنی اور جسمانی محنت کا عوض قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب ایک شخص پانچ روپے پر ایک روپیہ سود لیتا ہے۔ تو اس ایک روپیہ کے بدلہ میں وقت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوتی جس کو اس ایک روپیہ کا بدل قرار دیا جاسکے۔ اس لئے تجارت میں نفع لینا جائز ہے۔ اور روپیہ پر سود لینا ناجائز ہے۔ شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۳۹۸ (علامہ غلام رسول سعیدی) کراچی۔

علامہ جلال الدین خوارزمی نے کفایہ میں لکھا ہے۔ کہ اجناس مختلفہ میں ادھار اس وقت حرام ہوگا۔ جب مثلاً دونوں چیزیں وزنی ہوں۔ اور مثمن یا ثمن ہونے میں متحد ہوں۔ مثلاً سونے کی چاندی کے عوض ادھار بیع حرام ہے۔ کیونکہ جنس مختلف ہونے کے باوجود یہ دونوں ثمن ہونے میں متحد ہیں۔ یا مثلاً گندم کی جو کے عوض ادھار بیع حرام ہے کیونکہ جنس مختلف ہونے کے باوجود یہ دونوں مثمن ہونے میں متحد ہیں۔ لیکن چینی یا چاول کی درہم دینار یا نوٹوں اور پیسوں کے عوض ادھار بیع جائز ہے۔ کیونکہ یہاں ہر چند کہ جنس مختلف ہیں۔ لیکن چینی اور چاول مثمن ہیں۔ اور درہم دینار نوٹ پیسے وغیرہ ثمن ہیں۔ اس لئے ان میں ادھار جائز ہے۔ (فانحل الاشکال والحمد للہ رب العالمین)

شرح صحیح مسلم جلد ۴ صفحہ ۴۰۹ (علامہ غلام رسول سعیدی کراچی)

ایک صورت یہ کہ دونوں طرف نہ جنس ایک ہو۔ نہ قدر یعنی کیلی وزنی ہونا ایک نہ ہو تو زیادتی بھی جائز ہے۔ ادھار بھی مثلاً گندم وغیرہ کو کسی کرنسی روپیہ پیسہ نوٹ وغیرہ سے بیچا اس میں ادھار بھی جائز ہے۔ اور زیادتی بھی جائز ہے۔ العطایا الاحمدیہ فی فتاوی نعیمیہ صفحہ ۲۲۲ / ۳

جہاں قدر اور جنس میں سے کوئی وصف بھی نہ پایا جائے وہاں بیع میں تفاضل اور ادھار دونوں

جائز ہیں۔ جیسے گوڑی کے عوض میں قلم کا سودا نقد و ادھار جائز ہے۔ کہ ان کی جنس بھی
مختلف ہے۔ اور کیلی یا وزنی بھی نہیں۔ فتاویٰ نوریہ جلد ۴ ص ۱۶۳ ایسی تجارت شرعاً
جائز ہے اور نیک نیتی ہو تو ثواب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ احل اللہ البیع نیز فرمایا
الا ان تکون تجارۃ عن تراض۔ اگر ایسی خرید و فروخت بھی جائز نہ ہو تو ضروریات کیسے پوری ہوں۔
بلکہ بہتر ہے کہ اہل اسلام کا میل جول شرعاً محمود ہے۔ اور یہی آیتیں بھی جواز کیلئے کافی
دلیل ہیں۔ فتاویٰ نوریہ ص ۱۳۹ جلد ۴۔ قدر و جنس دونوں موجود نہیں۔ تو کمی
بیشی بھی جائز اور ادھار بھی جائز مثلاً گیہوں اور جو کو روپیہ سے خریدیں یہاں کم و بیش
ہونا تو ظاہر ہے کہ ایک روپیہ کے عوض میں جتنے من چاہو خریدو کوئی حرج نہیں اور ادھار بھی
جائز ہے کہ آج خریدو روپیہ مہینے میں کہ سال میں کہ عرصہ میں جب چاہو دو جائز ہے۔
کوئی خرابی نہیں (ہدایہ وغیرہا) (بہار شریعت ص ۱۹۲ جلد ۲)

Abbas

۲۸-۲-۲۰۰۸
۲۲-۲-۱۴۲۹
بروز جمعرات PM ۳:۰۰

زمین گروی کا حکم (۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں بعض لوگ زمین گروی رکھ دیتے ہیں قرض خواہ زمین کی پیداوار کھاتا رہتا ہے۔ پھر مقروض حسب موقع پورا قرض ادا کر کے زمین واپس لے لیتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بالصواب

یہ خالص سود ہے۔ کیونکہ قرض خواہ اپنا قرض تو پورا وصول کرے گا باقی جو منافع زمین کا کھاتا رہا یہ قرض پر زیادہ ہے۔ اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ کل قرض جر نفعاً فھو ربوا۔ جو قرض نفع دے وہ سود ہے۔ قرض خواہ جو بھی کسی چیز گروی رکھے اس کی آمدنی بالکل نہیں کھا سکتا بلکہ آمدنی بھی امانتاً اپنے پاس رکھے گا۔ اور ادائے قرض کے وقت وہ چیز اور آمدنی کا روپیہ سارا واپس کرے گا۔ (دیکھو شامی وعالمگیری) اس کے لئے ایسا کرنا چاہیے کہ حاجت مند قرض نہ لے اور زمین گروی نہ کرے۔ بلکہ زمین کی بیع کر دے اور اس کی قیمت لے لے لیکن بیعنامہ رجسٹری ہو جانے کے بعد فوراً خریدار کی طرف سے یہ اقرار نامہ رجسٹری کرالے کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جس وقت یہ شخص (بائع) چاہے گا۔ میں اس زمین کو اتنی قیمت میں اس کے ہاتھ فروخت کر دوں گا۔ یہ بیع وفا کی ایک قسم ہے۔ یہ بالکل جائز ہے۔ اور اب جو زمین کی آمدنی یہ شخص کھائے گا۔ وہ حلال ہو گی۔

(فتاوی نعیمیہ ص ۱۵۰ امام احمد یار خاں نعیمی گجراتی) مشکوٰۃ باب الربوا میں ہے۔ کہ ایک بار حضرت بلال نے دو صاع ردی خرمے ایک صاع کھرے خرموں سے بیچے حضور نے فرمایا۔ کہ یہ سود ہو گیا۔ یوں نہ کرو۔ بلکہ پہلے ردی خرمے روپیہ کے عوض فروخت کر دو پھر اس روپیہ سے کھرے خرمے خرید لو۔ لہٰذا اگر تمہیں دو سیر خراب گیہوں دیکر ایک سیر اچھے گیہوں لینا ہے۔ تو گندم گندم کے عوض نہ دو۔ بلکہ یہ دو سیر مثلاً آٹھ آنے میں بیچ دو۔ پھر اس آٹھ آنے کے کھرے گیہوں ایک سیر خرید لو۔ (تفسیر نعیمی ص ۱۴۹ جلد ۳)

دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔ جاء الحق ص ۳۰۴ حصہ اول

قرض کے بدلہ میں اپنی کوئی چیز گروی رکھنے والے کو راہن اور جس کے پاس سامان گروی رکھا جائے اسے مرتہن کہتے ہیں۔ جب کہ گروی رکھی گئی چیز کو مرہون اور کبھی رہن بھی کہہ دیتے ہیں = مرہون سے مرتہن کو نفع حاصل کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی گاڑی کرسا یا جانور پر سوار ہو۔ دودھ وغیرہ استعمال کرے یا کسی بھی صورت میں نفع اٹھائے گا۔ تو ناجائز اور سود کے زمرہ میں شمار ہوگا۔ فتاوی نوریہ ص ۱۸۴ جلد ۴ ۔

M Abbas

۱-۳-۲۰۰۸
۲۲-۲-۱۴۲۹
AM بروز ہفتہ
(۱۱:۴۵)

فون پر ہیلو کی بجائے مدینہ کہنا کیسا ہے؟

(مفتی محمد نظام الدین رضوی انڈیا)

دعوتِ اسلامی والوں نے آج کل یہ طریقہ نکالا ہے کہ جب کسی کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو مدینہ مدینہ کہتے ہیں۔ کیا یہ مدینہ منورہ کی بے ادبی نہیں ہے۔ کم از کم مدینہ شریف ہی کہیں۔ بلکہ استنجا خانے کے قریب بھی یہ بے ادبی سے باز نہیں آتے وہاں بھی مدینہ مدینہ کہتے رہتے ہیں براہ کرم شرعی حکم بیان فرما دیجئے۔

(الجواب)

کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے مدینہ کہنا مباح ہے۔ اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔ احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ و ثبوت کامل کسی شئے کو حرام و مکروہ کہہ کر شریعت مطہرہ پر افترا کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن ادب صاحب مُبَیَّن خود مُبَیَّن سیدی عبد الغنی بن سیدی اسمٰعیل قدس سرہما الجلیل فرماتے ہیں۔ ليس الاحتياط فى الافتراء على الله تعالى باثبات الحرمة او الكراهة للذين لا بدلهما من دليل بل فى القول بالاباحة التى هى الاصل وقد توقف النبی ﷺ مع انه هو المشرع فى تحريم الخمر ام الخبائث حتى نزل عليه النص القطعى ۔۔۔ آه وآثره ابن عابدين فى الاشربة مقرا ــــ آه فتاوی رضویہ رسالہ اجلی من السکر جلد ۲ ص ۹۰ = اور مدینہ مدینہ کہنا بے ادبی کی نہیں بلکہ محبت کی دلیل ہے۔ کہ آدمی جس چیز سے محبت زیادہ کرتا ہے اس کا ذکر بھی بار بار کرتا ہے۔ ہاں لفظ مدینہ کے ساتھ کوئی کلمہ تعظیم کہنا۔ جیسے شریف، منورہ اور طیبہ وغیرہ خوب محبوب ہیں۔ لیکن کسی وجہ سے اس کا عدم ذکر بے ادبی نہیں۔ جیسے ذکر الہی کے وقت اللہ کا ورد کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ کلمہ تعظیم کا ذکر لسانی حیثیت سے خوب موزوں و چست نہیں ہوتا۔ جیسے اشعار میں مثلاً ذوق نعت میں ہے۔ ۵

عجب رنگ پر ہے بہار مدینہ — (اور نثر میں بھی بولا جاتا ہے) سرکار مدینہ تاجدار مدینہ سلطان مدینہ۔ عطار مدینہ۔ اور شار مدینہ وغیرہ اس طرح کے الفاظ عوام و خواص میں رائج ہیں۔ اور کسی کو بے ادبی کا تصور تک نہیں ہوتا۔ وجہ وہی ہے کہ اس مقام پر ترکیب کے لحاظ سے شریف وغیرہ کلمات تعظیم کا ذکر خوب چست و موزوں نہیں ہے۔ نیز کلمات علماء بلکہ قرآن و حدیث میں بھی یہ لفظ

بلکہ کلمہ تعظیم کے ذکر کے وارد ہے۔ بطور نمونہ فتاویٰ رضویہ شریف کے ایک فتوے کے چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو مدینہ کو یثرب کہے اس پر توبہ واجب ہے مدینہ طابہ ہے مدینہ طابہ ہے۔ (۲) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ وہ اسے یثرب کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ تو مدینہ ہے۔ (۳) اور فرماتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (۴) مولانا علی قاری رحمہ الباری مرقاۃ شریف میں فرماتے ہیں۔ قد حکی عن بعض السلف تحریم تسمیۃ المدینۃ یثرب۔ (۵) مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم او را مدینہ نام نہاد از جہت تمدن و اجتماع مردم —

(فتاویٰ رضویہ جلد ۹ ص ۶۱-۶۲ رضا اکیڈمی)

یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ کہ مدینہ کہنے والے نے مخاطب کا نام رکھ دیا۔ بلکہ یہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایک مخصوص کلمہ کوڈ ہے۔ جیسے نمازیوں کو متوجہ کرنے کے لئے تثویب یا صدائے مدینہ وغیرہ۔ الغرض متوجہ کرنے کے لئے لفظ مدینہ کا ذکر جائز و مباح ہے۔ اس میں کوئی بے ادبی یا کراہت نہیں ہے۔ الا یہ کہ اسے ایسے مقام پر ذکر کیا جائے۔ جہاں اس کے باعث کسی سنت کا ترک لازم آئے۔ مثلاً - ۱ ملاقات کے وقت پہلے مدینہ کہنا اور پھر سلام کرنا۔ (۲)۔ کسی کام کے شروع کرنے کے وقت پہلے مدینہ کہنا اور پھر بسم اللہ پڑھنا یا بالکل نہ پڑھنا۔ (۳) بیت الخلاء میں جاتے وقت اور نکلتے وقت دعائے ماثورہ کی جگہ مدینہ کہنا۔ فون پر ملاقات کے وقت ہیلو ہیلو کہنا اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔ یونہی مدینہ مدینہ کہنا بھی اسلامی طریقہ کے خلاف ہے۔ اسلامی طریقہ تو یہ ہے۔ کہ پہلے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے۔ پھر اپنی شناخت بتانے کے لئے کوڈ کا لفظ مدینہ وغیرہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا فون پر ہرگز ہرگز اول ملاقات میں مدینہ مدینہ نہ کہا جائے۔ اس محل میں تسلیم کی سنت آہستہ آہستہ ہماری غفلت سے مردہ ہوتی جا رہی ہے۔ جس کا احیاء ضروری ہے۔

اس پیغام کو تمام مسلمانوں میں عام سے عام تر کیا جائے۔ اور ہیلو ہیلو اور مدینہ مدینہ بند کیا جائے۔ کوئی بھی فرد یا جماعت اپنی شناخت کے لئے۔ کوئی کلمہ یا جملہ خاص کر لیتی ہے۔ اسے شعار، علامت یا کوڈ کہتے ہیں۔ اور یہ عام طور پر رائج ہے۔ جس پر فقہائے کرام نے کبھی نکیر نہ فرمایا۔ جنگوں میں صحابہ کرام نے

کا شعار (کوڈ) "والحمداہ" تھا تو اگر دعوت اسلامی نے اپنی شناخت کیلئے ایک لفظ مدینہ خاص کرلیا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ دعوت اسلامی پر لازم ہے کہ دعوت سے وابستہ افراد کو بطور خاص متنبہ کر دیں کہ جن مقامات پر مدینہ کہنے سے کسی سنت کا ترک لازم آتا ہے۔ ان مقامات پر سنت کی بجا آوری کریں بعد لفظ مدینہ ہرگز نہ بولیں۔ نیز انہیں چاہئے کہ جو لوگ اس کلمہ خطاب سے آشنا نہیں ہیں۔ انہیں اس سے متوجہ نہ کریں تا آنکہ وہ اس سے آشنا نہ ہو جائیں

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم مفتی محمد شریف الحق امجدی

(نور الحبیب ۳۱ جمادی الآخر ۱۴۲۰ستمبر ۱۹۹۹شمارہ ۹ جلد ۱۱)

[signature]

سرحد نگل

۳-۳-۲۰۰۸

۲۵-۲-۱۴۲۹ PM : ۱ : ۲۳ : ۱۵

Moulana Qari Muhammad Abbas Nizami Distt. Teh. Pakpattan

شارح بخاری

"مہر" علامہ سید محمود احمد رضوی کیا یہ ایک بے معنی اور فضول رسم ہے

مہر بے معنی اور فضول اخراجات کی دوسری رسموں کی طرح نہیں ہے۔ یہ جہیز کی طرح بھی نہیں ہے کیونکہ جہیز کی حقیقت صرف اس قدر ہے۔ کہ اس کا دینا لینا جائز و مباح ہے۔ ضروری یعنی فرض و واجب نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جہیز نہیں دیتا نہ دے لیکن مہر کا معاملہ بالکل الگ ہے۔ اس کی ادائیگی شوہر پر لازم و واجب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔ (۱) فاتوھن اجورھن فریضۃ النساء پارہ ۵ جن عورتوں سے نکاح کرنا چاہو ان کے مقرر شدہ مہر انہیں دو۔ (۲) واٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ پارہ ۴) اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو ان آیات سے واضح ہے۔ کہ مہر خالص عورتوں کا حق ہے۔ جس کی ادائیگی بہر حال شوہر پر لازم و واجب ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ بیوی

کو مہر میں کچھ نہ دوں گا۔ تو وہ زانی مرے گا۔ (طبرانی) یعنی اس کا حشر زانیوں کے ساتھ ہوگا۔
یہ وعید شدید بھی مہر کی شرعی پوزیشن کی وضاحت کے لیے کافی ہے۔ اس لیے مہر کو محض
ایک رسم یا فضول کام سمجھنا اور کہنا قرآن و حدیث کی رو سے غلط ہے۔ البتہ حضور علیہ السلام
نے یہ فرمایا ہے۔ بہتر مہر وہ ہے جو آسان ہو۔ (بیہقی) اس ارشاد کا مطلب بھی یہی
ہے کہ بہتر یہی ہے۔ کہ مہر کی رقم ایسی مقرر کی جائے جو آسانی سے ادا ہو سکے۔ لیکن
اس کے باوجود قرآن نے گراں قدر مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں فرمائی۔ آیت مبارکہ احداھن
قنطارا (نساء ۵ پ۴) سے گراں مہر کے تقرر کا جواز ثابت و واضح ہے۔
حضرت امام دوم خلیفہ رسول سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بر سر منبر یہ فرمایا
کہ عورتوں کے مہر گراں نہ باندھو، تو ایک عورت نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر عرض کی۔ اے
ابن خطاب اللہ ہمیں دیتا ہے۔ اور تم منع کرتے ہو۔ اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا عمر کچھ
سے ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے۔ اس کے بعد فرمایا جو چاہو مہر مقرر کرو۔ یہ خلیفہ رسول کی
انصاف پسندی اور نفس کی پاکی تھی کہ آپ نے اعلان کر دیا کہ جو چاہو جتنا چاہو مقرر کرو۔ میں
اپنے مشورہ کو واپس لیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ اسلام نے گراں مہر مقرر کرنے کی ممانعت نہیں کی۔ اس
لئے یہ کہنا کہ بھاری بھر کم مہر کا مطالبہ کوئی شرعی و اخلاقی جواز نہیں رکھتا۔ شریعت اسلامیہ پر افتراء
محض کے مترادف ہے۔ اور مہر کو مسرفانہ رسوم و رواج کی مہر ست میں شامل سمجھنا سخت زیادتی ہے
(۱) مہر شرعی کی مقدار "
شریعت نے کمی کی طرف مقدار مہر معین کی ہے۔ یعنی مہر دس درہم بھر چاندی سے کم نہیں ہو سکتا۔
ایک درہم (شرعی) تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی ہے۔ یعنی دس درہم کی مقدار دو تولے
سات ماشے چار رتی ہے۔ خواہ اتنی مقدار میں چاندی دے دے یا اس کی مروجہ قیمت، کیونکہ چاندی کی
قیمت بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ غرضیکہ اس مقدار سے کم نہیں ہو سکتا۔ اور زیادہ کی کوئی حد نہیں
جس قدر فریقین کے درمیان طے ہو جائے شوہر پر اس کی ادائیگی لازم و واجب ہوگی۔ کیونکہ مقدار
شرعی سے جس قدر بھی زیادہ معین کیا جائے جائز ہے۔ (مہر تین قسم ہے)

(۱) اول معجّل، وہ ہے کہ رخصتی سے پہلے دینا قرار پالیا ہو۔ اس کے لئے عورت کو اختیار ہے۔ کہ جب تک وصول نہ کرے۔ رخصت نہ ہو۔ اور اگر رخصت ہوگئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مہر کا مطالبہ کرے۔ اور اس کی وصولی تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے۔ اگرچہ رخصت کو بیس برس گزر گئے ہوں۔ (۲) دوم موجل: جس کی ادائیگی کی میعاد قرار پائی ہو۔ مثلاً دس برس بعد، پانچ برس یا پانچ مہینہ بعد یا پانچ دن بعد ادا کیا جائے گا۔ اس میں جب تک وہ میعاد نہ گزرے، عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں ہے۔ اور جب میعاد پوری ہو جائے تو ہر وقت مطالبہ کر سکتی ہے۔ (۳) سوم مؤخر: کہ جس کی ادائیگی کے لئے۔ نہ پیشگی شرط ٹھہری ہو نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو۔ یونہی مطلق و مبہم طور پر باندھا ہو۔ یعنی اس میں معجل یا موجل کی تصریح نہ ہو، یہ مہر مؤخر کہلاتا ہے۔ اس صورت میں جب تک شوہر کی موت یا طلاق واقع نہ ہو۔ عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ واضح ہو کہ مہر معجّل یا موجل کیلئے شریعت نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی۔ جتنا پیشگی دینا ٹھہرے معجّل اس قدر ہوگا۔ باقی کی اگر میعاد قرار پائی ہے۔ تو اتنا موجل قرار پائے گا۔ ورنہ مؤخر۔ مثلاً

(۱) ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا اور یہ قرار پایا کہ پانچ سو معجّل اور پانچ سو موجل ہوں گے۔ تو پانچ سو معجّل کے متعلق عورت کو اختیار ہے۔ کہ جب تک وصول نہ کرے۔ رخصت نہ ہو۔ اور باقی پانچ سو جو موجل ہیں۔ جب میعاد پوری ہو جائے گی تب عورت کو اس کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

(۲) ایک ہزار روپے کل مہر مقرر ہوا۔ پانچ روپے معجّل قرار پائے۔ تو اس صورت میں عورت کو اختیار ہے۔ کہ جب تک وصول نہ کرے۔ رخصت نہ ہو اور باقی پانچ سو کے متعلق معجّل یا موجل ہونے کی تصریح نہ ہو۔ تو یہ مؤخر قرار پائیں گے۔ یعنی ان پانچ سو روپوں کا جو کہ مؤخر قرار پائے ہیں۔ عورت مطالبہ اس وقت کر سکتی ہے۔ جب کہ شوہر طلاق دیدے یا اس کی موت واقع ہو جائے۔

(فائدہ)

اگر کسی قوم یا برادری کا یہ عرف ہو جائے (رواج عام) کہ معجّل یا موجل ہونے کی تصریح نہ ہونے کے باوجود مہر کا کچھ حصہ پیشگی دینا ہوتا ہے۔ تو بلا ذکر اور قرار داد صریح بھی اتنا معجّل قرار پائیگا اور باقی بدستور موجل یا مؤخر رہے گا۔ (درمختار و ردالمحتار)

مہر میں مال متقوم ہونا ضروری ہے۔

جو چیز مال متقوم نہیں وہ مہر نہیں ہو سکتی۔ مثلاً مہر یہ ٹھہرا۔ کہ شوہر عورت کی سال بھر خدمت کریگا۔ یا اسے قرآن مجید یا علم دین پڑھائے گا۔ یا حج وغیرہ کرا دیگا۔ تو ان سب صورتوں میں مہر مثلی واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر مہر میں شراب۔ یا خنزیر کا ذکر کیا۔ تو بھی مہر مثلی واجب ہوگا۔ (عالمگیری)

(شغار کا حکم) شغار یعنی ایک شخص نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے سے کر دیا۔ اور دوسرے نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس سے کر دیا۔ اور ہر ایک کا مہر دوسرے کے نکاح کو قرار دے دیا تو ایسا کرنا گناہ اور منع ہے۔ لہذا اس صورت میں مہر مثلی واجب ہوگا۔

مہر معاف کرنا = عورت کل مہر یا اس کے جز کو معاف کرے تو معاف ہو جائیگا۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ شوہر نے اس معافی کو قبول کر لیا ہو، انکار نہ کیا ہو۔ (ردالمختار)

بلا تعین مہر نکاح درست ہے۔ اگر بوقت نکاح مہر کا تعین نہ کیا یا مہر کی بالکل نفی کر دی تو بھی نکاح صحیح و درست ہے۔ اس صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔ اسی طرح اگر بوقت مہر شرعی مقرر کیا تو بھی نکاح ہو جائیگا اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ہاں اگر کسی قوم یا برادری میں مہر شرعی بول کر اس سے کوئی خاص مقدار مراد لی جاتی ہو۔ جو اس قوم یا برادری میں رائج ہے۔ تو جو اُن کی اصطلاح میں معروف و مشہور ہو وہی لازم ہوگی۔ مثلاً کسی قوم میں مہر شرعی کے لفظ سے ایک ہزار روپے مراد لیا جاتا ہے۔ اور یہ بات ان کا عرف بن گئی ہے۔ تو مہر ایک ہزار لازم و واجب ہوگا۔

32 روپے مہر شرعی نہیں ہے = عام طور پر 32 روپے یا اس سے کم و بیش کو مہر شرعی سمجھتے ہیں، یہ غلط ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے۔ کہ شریعت نے صرف کمی کی طرف مہر کی مقدار مقرر کی ہے۔ یعنی دس درہم ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم نہیں۔ البتہ اگر یہ سمجھ کر مہر باندھا کہ سب سے کم درجہ کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے۔ تو اس صورت میں دو تولے ساڑھے ساتھ ماشہ۔ چاندی چار رتی چاندی یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم و واجب ہوگی۔ اور اگر یہ سمجھ کر باندھا کہ جو مہر جناب سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔ تو اس صورت میں ڈیڑھ سو تولے یا اس کی مروجہ قیمت شوہر پر لازم ہوگی اور اگر صرف یہ کہا کہ مہر شرعی مگر کوئی معنی ذہن میں نہیں تھے۔ خالی ایک لفظ بول دیا۔ تو ایسی صورت میں شوہر پر مہر مثلی

ق ۱۰۹۸

"مہر مثل کی تعریف" یہ ہے کہ اس عورت کے ددھیال میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت و شکل، حسن و جمال اور فضل و کمال میں اس عورت کی مانند ہو تو جو اس کا مہر باندھا ہو وہ مہر مثل ہے۔

(مہر زیادہ کرنا) شوہر کو ہر وقت اختیار ہے۔ کہ وہ اپنی بیوی کے مہر میں زیادتی کر دے۔ مثلاً بوقت نکاح طرفین کی رضامندی سے پانچ سو روپے مہر مقرر ہوا شوہر نے پانچ سو اور زیادہ کر دیا۔ تو اب مہر ایک ہزار روپے قرار پائے گا۔ مہر زیادہ کرنے کیلئے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے۔ کہ جو زیادتی کر رہا ہے۔ وہ معلوم معین ہو اور عورت اسی مجلس میں اس کو قبول کرے۔ تیسری شرط یہ ہے۔ کہ عورت نکاح میں ہو۔ (اگرچہ یہ شرط مختلف فیہ ہے)

(حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے)

حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ گناہ نہیں۔ کیونکہ دولت آنے جانے والی چیز ہے۔ ایک شخص اگر آج غریب ہے۔ تو کل امیر ہو سکتا ہے۔ مگر حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا مناسب نہیں۔ البتہ فی زمانہ مہر ایسی معقول رقم کا ہونا چاہیئے۔ کہ شوہر پر کچھ دباؤ ہو کہ وہ اگر غلط اور ظالمانہ قدم اٹھائے تو اسے یہ تو محسوس ہو کہ اتنی بڑی رقم مجھے مہر کی ادا کرنا ہوگی

(بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی) بیوی کی وفات کے بعد مہر کی ادائیگی حسب قواعد شرعیہ اس کے وارثوں کو کسی جانی ضروری ہے۔ ہاں اگر بیوی کے تمام وارثان، جبکہ عاقل بالغ ہوں، مہر معاف کر دیں تو معاف ہو جائے گا۔ اگر تمام وارثان عاقل و بالغ ہیں۔ کچھ معاف کرتے ہیں۔ اور کچھ نہیں کرتے ہیں۔ تو جو معاف کر دیں ان کا معاف ہو جائے گا جو معاف نہ کریں ان کا حصہ دینا شوہر پر لازم رہے گا۔ اسی طرح جو وارث نابالغ ہیں۔ ان کا حصہ بھی شوہر کو ادا کرنا لازم و واجب ہے۔

ـ ہ ـ

نور الحبیب ص ۴۳ جمادی الآخر ۱۴۲۰ستمبر ۱۹۹۹ جلد ا شمارہ ۹

Abbas

۲۰۰۸-۳-۶
۱۴۲۹-۲-۲۷

بروز جمعرات

(PM : ۱۲ : ۱۹ : ۱۰)

اسلام اور طلاق

نکاح ایسے اصول وضابطے کا نام ہے۔ جو اس لئے بنایا گیا ہے۔ کہ اس کے ذریعے ایک غیر اور اجنبی مرد ایک غیر اور اجنبیہ عورت ایک دوسرے کیلئے حلال وجائز ہو جائیں۔ اور اللہ کے مؤثر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے پابند ہو جائیں۔ یعنی نکاح کرنے سے عورت شوہر کی پابند ہو جاتی ہے۔ اور شوہر اس کے تمام ضروریات زندگی کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ — انہیں پابندیوں اور ذمہ داریوں کو درمیان سے اٹھا دینے کو طلاق کہتے ہیں۔

اَلطَّلَاقُ فِی اللُّغَۃِ عِبَارَۃٌ عَنْ رَفْعِ الْقَیْدِ وَمِنْ اصْطِلَاحِ الْفُقَہَاءِ عِبَارَۃٌ عَنْ حُکْمٍ شَرْعِیٍّ یَرْفَعُ ذٰلِکَ الْقَیْدَ النِّکَاحِیَّ بِأَلْفَاظٍ مَخْصُوْصَۃٍ

طلاق لغت میں مطلقاً قید کا اٹھا دینا ہے۔ اور اصطلاح فقہاء میں نکاح کی قید کا اٹھا دینا ہے الفاظِ مخصوصہ کے ساتھ۔

نکاح کے زائل ہونے اور میاں بیوی کے درمیان جدائی کے کئی ذرائع ہیں۔ (۱) طلاق (۲) خلع (۳) ایلاء (۴) فسخ نکاح

اس زمانے میں میاں بیوی میں تفریق کے لئے اکثر طلاق ہی کا رواج ہے۔ خلع ایلاء فسخ نکاح کو تو عام طور پر مسلمان سمجھتے بھی نہیں۔ حالانکہ طلاق کے ساتھ ہی ساتھ ان کا بھی علم ہونا ضروری ہے۔ اور آج زوجین کے درمیان غیر یقینی حالات کے پیش نظر خلع و فسخ نکاح وغیرہ کی معلومات کا حاصل کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ مرکزی حیثیت سے دار الافتاء اس طرح کی صورت حال سے کافی حد تک دوچار ہیں۔ جس طرح شریعت نے مرد کو حسب ضرورت یہ اختیار دیا ہے کہ وہ جب چاہے اپنے حقوق زوجیت سے دستبردار ہو جائے۔ لیکن اسے سخت ناپسند فرمایا ہے۔ اور انتہائی ناگزیر حالات کی بنا پر کہ کسی طرح نباہ نہ ہونے کی صورت میں حکیمانہ انداز میں اس کی اجازت دی ہے۔ — یوں ہی عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ اگر اس کا نباہ شوہر کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس کے

زندگی خوشگوار نہیں رہ سکتی۔ وہ شوہر کے حقوق اور اللہ کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکے گی۔ اور شوہر کسی وجہ سے طلاق دینا نہیں چاہتا۔ تو وہ خلع کے ذریعے اپنے شوہر کی قید نکاح سے نکل جائے۔ سر دست ہم طلاق پر گفتگو کریں گے۔ اس کے بعد ایک مختصر سی گفتگو خلع، ایلاء، ظہار فسخ پر کر کے اپنی بات ختم کر دیں گے۔

اسلام کا ہر قانون، الہی قانون ہے۔ جو فطرت کے تمام مقتضیات کا احاطہ لئے ہوئے ہے۔ برخلاف انسانی قانون کے۔ کہ انسانوں کے ہاتھوں کا بنایا ہوا قانون وقتی، عارضی غیر مستقل اور ناپائیدار ہوتا ہے۔ حالات کی برہمی اور بدلتے ادوار میں اس کی تصویر بے بسی بڑی عبرت انگیز ہوتی ہے۔ اور اللہ جل جلالہ جو قانون زندگی دستور حیات اور اصول وضابطہ بناتا ہے۔ وہ رہتی دنیا تک کیلئے ہوتا ہے۔ حالات کا اتار چڑھاؤ۔ اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ ـــــ اسلام کے قانون طلاق و خلع کا ابتداء میں ہندؤں اور عیسائیوں نے بڑا مذاق اڑایا۔ اور اس کے خلاف سخت جارحانہ و تشدیدی حملے کیں۔ اور اس سے اپنی شدید نفرت و بیزاری کا اظہار کیا۔ اور اسے غیر فطری غیر انسانی اور بے لچک ضابطہ حیات پر محمول کرتے رہے۔ مگر حالات و واقعات نے بہت جلد ان سے اسلامی قانون کی فطری صداقت کا لوہا منوایا۔ اور کل تک اس قانون پر ہنسنے والے آج اسی کو اپنانے اور اس کی عظمتوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں۔

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ۔ فضلیت وہ ہے جس کی اعداء گواہی دیں۔ طلاق کوئی اچھی چیز نہیں۔ بلکہ اس کا لفظ تو ایک ایسا مکروہ لفظ ہے۔ جسے سن کر طبیعت پر انقباض طاری ہو جاتا ہے۔ اسلام نے میاں بیوی کے درمیان الفت و محبت اور رشتہ ازدواج کو باقی رکھنے کیلئے بڑا حکیمانہ انداز اختیار کیا ہے۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تفریق نہ پیدا ہو۔

حسب خواہش رفیقۂ حیات نہ ملنے پر اگر دل پر کسی طرح کا تکدر ہے۔ تو اس کے لئے بڑے دل نشین انداز میں فہمائش کرتے ہوئے قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا سورۃ نساء ع ۱۴ رکوع ۱۴

اور ان سے اچھا برتاؤ کرو۔ بعد نے پیدائش اور زوجیت کے امور میں پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں۔ بدخلقی یا صورت ناپسند ہونے کی وجہ سے تو صبر کرو۔ اور جدائی مت چاہو۔ قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو۔ اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے۔ اور اگر میاں بیوی کے درمیان تفرقوں اور بدگمانیوں نے جگہ پکڑ لی ہو۔ دونوں کو الگ ہو جانے کے آثار پیدا ہو گئے ہوں۔ تو اس پر بھی اسلام نے پوری کوشش کی ہے کہ دونوں جدا نہ ہوں۔ جانبین کے خاندانوں اور معاشرے کے ذمہ داروں کو اس اہم معاملے میں ڈالتے ہوئے۔ قرآن یوں ارشاد فرماتا ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا قرآن پ۵ ع ۳ سورۃ نساء

اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو۔ تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔ ان تمام مخلصانہ کوششوں مدبرانہ طریقوں اور دانشمندانہ راہ عمل کو اختیار کرنے کے بعد بھی باہم الفت و محبت نباہ اور یکجائی کی صورت باقی نہ رہ جائے۔ دل اس طرح پھٹ گئے ہوں کہ جڑنے کے امکانات ہی ختم ہو گئے ہوں اور اگر زور دباؤ ڈال کر اس سلسلے کو باقی رکھنے کی کوشش میں حقوق زوجین اور حدود الہیہ پامال ہوں۔ تو پھر ایسی صورت میں اسلام طلاق کو وقت اور معاشرے کی ایک ضرورت مان کر اس طرح کے

ناگوار رشتے کو ختم کر دینے کی اجازت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌ بِمَعْرُوْفٍ — یہ طلاق دو بار تک ہے پھر
اَوْ تَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ قرآن پ ۲ بقرہ — بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے
یا نیکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ (بقرہ)

عرب میں ایام جاہلیت کے لوگ عورت کو طلاق کی سولی پر لٹکائے رکھتے تھے۔ نہ
تو پورے طور پر اس کے راستے سے ہٹتے تھے کہ اسے کسی دوسرے مرد سے پاکیزہ
رشتہ جوڑنے کا موقع ملے اور نہ اسے باقاعدہ کوئی عزت کا مقام دیتے۔
بلکہ ہر طلاق کے بعد عدت کے اندر رجعت کی برہنہ تلوار مظلوم عورت کے سر
پر لٹکائے رہتے۔ اسلام نے ظلم کی اس ٹہنی ہی کو کاٹ دیا۔ یہ رجعت صرف
دو طلاقوں ہی تک ہو سکتی ہے۔ دو کے بعد ہرگز نہیں۔ اب اگر تیسری طلاق
دی تو وہ عورت ہمیشہ کیلئے تمہاری قید نکاح سے نکل جائے گی۔ ارشاد ہے۔
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ — پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ پ ۲ ع ۱۳ — اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب
تک دوسرے شوہر کے پاس نہ رہے۔ (بقرہ)

اور جب عورتیں قید نکاح سے نکل جاتی ہیں۔ تو اب قرآن ان لوگوں کے بارے میں
حکم فرماتا ہے — وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ — اور طلاق والیاں اپنی جانوں
بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ط وَبُعُوْلَتُهُنَّ — کو روکے رہیں تین حیض
اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ط — اور ان کے شوہروں
(سورۃ بقرہ پ ۲ ع ۱۳) کو اس مدت کے اندر ان کے پھیر لینے کا حق
پہنچتا ہے اگر ملاپ چاہیں — عدت طلاق کی مدت جو حیض والی عورتوں
کے لئے تین حیض ہے۔ شوہر کے گھر ہی گزارنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ شاید زندگی
بھر کیلئے ساتھ چھوڑنے کا احساس دونوں کے دلوں کو نرم کر دے اور بیتی باتوں پر

و خوش گوار ازدواجی زندگی کا خوابناک تصور دونوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا
سبب بن جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں پھر ایک دوسرے کیلئے رجوع ہو جائیں۔
ارشاد ربانی ہے۔ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ اور جب تم لوگ عورتوں کو طلاق
فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَ دو تو ان کی عدت کے وقت پر
اتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ انہیں طلاق دو۔ اور عدت کا
وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ شمار رکھو۔ اور اپنے رب اللہ سے
مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَن يَتَعَدَّ ڈرو۔ عدت میں انہیں ان کے
حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ
اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَٰلِكَ أَمْرًا (قرآن) نکلیں مگر یہ کہ کوئی صریح بے حیائی
فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ کی بات لائیں۔ اور یہ اللہ کی حدیں
بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ہیں۔ اور جو اللہ کی حدوں سے آگے
(قرآن پ۲۸ ع۱۷ - سورۃ طلاق) بڑھا۔ بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا
تمہیں نہیں معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم بھیجے تو جب وہ اپنی میعاد
تک پہنچنے کو ہوں۔ تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ جدا کر دو۔

بروز ۲۱-۹-۲۰۰۸

اتوار ۲۰-۹-۱۴۲۹

PM : ۴ : ۳۰ : ۲۷

Muoulana Qari Muhammad Abbas Nizami
Distt. Teh. Pakpattan

(۲) حالت حیض میں طلاق دینا کیسا ہے

حالت حیض میں طلاق دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس کے امتناع میں بہت زیادہ
شدت برتی گئی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ جو اس بات پر شاہد ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رض نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں
اپنی بیوی کو طلاق دے دی جب کہ وہ حائضہ تھیں۔ حضرت عمر رض نے نبی اکرم ؐ سے اس
کے متعلق پوچھا۔ تو آپ ؐ نے فرمایا انہیں حکم دو کہ اس سے رجوع کر لیں۔ اور اسے اپنے
پاس رکھیں یہاں تک کہ پاک ہو جائے، پھر حیض آئے۔ اور وہ پاک ہو جائے۔ اس کے
بعد وہ چاہیں تو اپنے پاس رکھیں چاہیں تو طلاق دے دیں ہاتھ لگانے سے پہلے
وہ یہ طہارت ہے۔ جس میں طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا (ابوداؤد)

سالم بن عبداللہ نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنی
بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو حضرت عمر نے رسول پاک ؐ سے اس کا ذکر
کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ ان سے کہو کہ
رجوع کر لیں۔ پھر اپنے پاس رکھیں۔ یہاں تک کہ پاک ہو جائے۔ پھر حیض آئے۔
اور وہ پاک ہو جائے۔ پھر چاہیں تو اسے پاکی کی حالت میں طلاق دے دیں۔ مگر ہاتھ
لگانے سے پہلے یہ طلاق کیلئے عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ (ایضاً)

(iii) ایام حیض میں طلاق سے منع کرنے کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان ایام
میں عورت کا جسمانی نظام تغیر اور عجیب طرح کی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے
اس کی خوشگوار کیفیت چڑچڑاہٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ اور غیر محسوس طور پر
اس سے کچھ باتیں ایسی سرزد ہو جاتی ہیں۔ جن کو عام حالات میں وہ خود ناپسند
کرتی ہے۔ اور اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس دوران
میاں بیوی کی جسمانی دوری بھی کسی حد تک تلخیوں کا سبب ہو سکتی ہے۔
اس لئے بڑی تاکید کے ساتھ حالت حیض میں طلاق دینے سے منع فرمایا گیا
لیکن اگر شوہر نادانی کر بیٹھے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ حضرت ابن عمر نے حالت
حیض میں جو طلاق دی تھی۔ وہ ایک ہی تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث شریف ہے
ابن سیرین کو یونس ابن ابی جبیر نے بتایا کہ انہوں نے حضرت ابن عمر سے پوچھتے ہوئے

کیا۔ آپ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ انہوں نے فرمایا۔ ایک۔ حضرت ابن عمر نے حضور سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ اگر میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں۔ تو کیا مجھے رجوع کا حق باقی رہتا۔ تو آپ نے فرمایا نہیں وہ جدا ہو جاتی۔ اور یہ گناہ ہوتا۔

بروز جمعرات
۲۵-۹-۲۰۲۹
۲۴-۹-۱۴
۳۳ : ۲۱ : ۴ - PM

(۳) طلاق اسلام کی نظر میں

مذہب اسلام نے ناگزیر حالات کی بنیاد پر طلاق و خلع کی اجازت تو دی اور اس کے مستقل قوانین بھی وضع کیئے۔ مگر اسے بہت برا اور انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا۔ شادیاں کرو۔ اور طلاقیں مت دو کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ مزہ چکھنے والے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی تنوع۔ ٹیسٹ اور محض لذت کیلئے بار بار نکاح و طلاق کے مرحلوں سے گزرنے والوں کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ لَعَنَ اللّٰہُ کُلَّ ذَوَّاقٍ مِطْلَاقٍ۔ بہت زیادہ لذت چاہنے والا۔ اور بہت زیادہ طلاق دینے والا۔ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہے۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمام حلال چیزوں میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ (ابوداؤد) (کتاب الطلاق)

جو عورت بغیر کسی وجہ کے شوہر سے طلاق مانگے۔ وہ اس لائق ہے۔ کہ اس پر جنت کی خوشبو حرام ہو۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ، دارمی) اے معاذ روئے زمین پر کوئی چیز اللہ نے پیدا نہیں فرمائی۔ جو اس کے نزدیک غلام آزاد کرنے سے زیادہ اچھی ہو۔ اور نہ روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا کی۔ جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ ہو۔ (مشکوٰۃ شریف) اس قدر ناپسندیدگی کے باوجود اسلام نے کیوں طلاق کی اجازت دی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ انسانی فطرت نہ تو بالکل [illegible]

کر سکتی ہے۔ اور نہ ہی اس کو کھلی چھوٹ دے کر بے قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ وہ ایسی کیفیت
کی حامل ہے۔ جو گویا متضاد ہیں۔ اور ایسی فطرت کی تربیت اس پر کنٹرول اس
کی صحیح رہنمائی کسی الٰہی قانون ہی سے ہو سکتی ہے۔ جو جبر و اختیار کے درمیان
ایک راستہ متعین کر سکے ــــ اسلام خدا کا عطا کیا ہوا ایک مکمل
ضابطۂ حیات ہے۔ اس نے اگر ایک طرف طلاق کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ
سے دیکھا تو دوسری طرف ناگزیر حالات اور مخصوص کیفیات میں مناسب وجوہ
و شرائط و قیود کے ساتھ اس کی اجازت بھی دی۔ اس نے میاں بیوی کے
درمیان صلح و محبت رحمت و رأفت اخلاق و مودت باہمی تعاون و وفا کی
کی ہر ممکن کوشش کی اس پر حتی الامکان بہت زور بھی دیا۔ اور ایک مسرور
و شادمان خاندان آباد کرنے کی بہت تاکید کی۔ لیکن جب باہمی اختلاف
انتشار بے اعتمادی و بدگمانی اور نفرتوں کی شدت کی وجہ سے نباہ گزار
اور دائمی رفاقت ناممکن ہو جائے اور صلح و صفائی کی کوئی صورت باقی نہ رہ جائے
تو انہیں یہ حکم دیا کہ دونوں طلاق کے ذریعے الگ ہو جائیں۔ تاکہ حقوق زوجین و
حدود الٰہیہ کی حرمت پامال نہ ہو ــ ہندو دھرم شاستر میں اس قسم
کا کوئی قانون نہیں تھا۔ میاں بیوی کا رشتہ نکاح مرتے دم تک رہتا۔ چاہے دونوں
عورت ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ ہوں۔ لیکن ان کے یہاں کوئی
ایسی صورت نہیں تھی جس کے ذریعے پتی و پتنی میں علیحدگی ہو جائے۔
عیسائی مذہب میں بھی طلاق و خلع کوئی قانون نہیں تھا۔ مرد اور عورت
کے ازدواجی رشتے تا حیات باقی رہتے تھے۔ حالات کا دباؤ جب زیادہ پڑا تو یہ
قانون بنا کہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں الگ تو ہو سکتے ہیں۔ مگر زندگی کی آخری
سانس تک وہ دونوں کسی اور سے شادی نہیں کر سکتے۔ چونکہ اس کے نتائج
اور بھی زیادہ خوفناک اور بھیانک نکلے معاشرے میں جنسی انتشار بے چینیاں

بے حیائیاں ۔ عیاشیاں ۔ فحاشیاں ۔ بد چلنیاں اور تباہ کاریاں اس قدر بڑھیں
کہ سب کو کھلا کر اسلام کے قانون فطرت کے آگے خمیدہ سر ہو گئے ۔ اور
آج حال یہ ہے کہ دنیا کے سارے شہرت یافتہ ممالک و مذاہب میں طلاق
و خلع نہ صرف عام بلکہ طلاق کا ایک باضابطہ قانون بن چکا ہے جس کی روشنی
میں دنیا بھر کے سینکڑوں ہزاروں لاکھوں طلاق و خلع کے مقدمات کورٹوں اور
کچہریوں میں نپٹائے جاتے ہیں ۔ عالم انسانیت پر اسلام کا یہ احسان عظیم
ہے کہ اس کی برکتوں کے فیضان سے لاکھوں کروڑوں زندگی کو منزل امان ملی ۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا بھی دباؤ گے اتنا ہی یہ ابھرے گا ۔

بروز جمعہ المبارک
۲۶-۹-۲۰۱۹
۲۵-۹-۱۴۴۱
AM-۸:۳۲:۵۴

Moulana Qari Muhammad Abbas Rizwana Distt. Teh. Pakpattan

طلاق کی اقسام ۔ (۱) رجعی (۲) بائن (۳) مغلظہ

(۱) رجعی کا مطلب یہ ہے کہ شوہر عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے خواہ
عورت راضی ہو یا ناراض یعنی بغیر نکاح پڑھائے اسے واپس لوٹا سکتا ہے
قول کے ذریعے یہ کہہ کر کہ میں نے تجھ سے رجعت کی ۔ یا فعل کے ذریعے مثلاً
اس سے مباشرت کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

① وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا مطلقات رجعیہ کے شوہروں کو عدت میں
واپس کر لینے کا حق ہے ۔ اگر اصلاح مقصود ہو
② وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ جب عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت
فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (پ۲ ، ع۱۳) پوری ہونے کے قریب پہنچ جائے ۔ تو انہیں

عمدگی کے ساتھ روک سکتے ہو یعنی رجوع کر سکتے ہو۔ القرآن۔ اور جیسا کہ قرآن
نے بیان فرمایا۔ الطلاق مرتان فامساک یہ طلاق دو بار تک ہے۔ پھر
بمعروف او تسریح باحسان عمدگی کے ساتھ روک لینا۔ یا نیکی
کے ساتھ چھوڑ دینا = حدیث ابن ماجہ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) بائن کا حکم یہ ہے کہ مغلظہ نہ ہونے کی صورت میں عدت کے اندر
شوہر عورت کی مرضی سے نکاح کر سکتا ہے۔ عدت پوری ہونے کے بعد بھی نکاح
کر سکتا ہے۔ اسے حلالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی شوہر نے اگر بیوی کو
طلاق بائن دی تو وہ فوراً نکاح سے نکل کر خود مختار ہو گئی۔ اب اگر شوہر
عدت کے اندر سے اپنی طرف پھیرنا چاہے۔ تو بغیر نکاح کے جائز نہیں۔
ہاں شوہر کے سوا کسی دوسرے سے نکاح عدت پوری ہونے کے بعد ہی
ہو سکتا ہے۔ عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد وہ آزاد ہے۔ جس سے چاہے
شادی کرے۔ شوہر اول سے نکاح کرنے کیلئے مجبور نہیں۔ ہندیہ میں ہے
جب کہ اذا کان الطلاق بائنا دون جب کہ طلاق بائن ہو۔ اور تین
① الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدۃ سے کم ہو شوہر عدت کے اندر نکاح
وبعد انقضائھا درمختار میں ہے کر سکتا ہے۔ اور عدت پوری ہونے
کے بعد بھی

انما تملک نفسھا بالبائن بے شک وہ مالک ہو جاتی ہے اپنی جان کی
عقود دریہ میں ہے کہ طلاق بائن سے
وقع طلقۃ بائن ملکت بھا طلاق بائن پڑتے ہی وہ اپنی جان کی مالکہ ہو جاتی
نفسھا وحیث انقضت ہے۔ اور عدت پوری ہوتے ہی وہ شوہر اول کیلئے
عدتھا صارت اجنبیۃ اجنبیہ ہو جاتی ہے۔ فتاوی رضویہ جلد ۵
(کتاب الطلاق)

مغلظہ کا مطلب یہ ہے کہ عورت بغیر حلالہ کے شوہر اول کے لیئے جائز نہیں ہوسکتی جیسا
کہ ارشاد ربانی ہے۔ پھر اگر تیسری طلاق دی تو اب وہ عورت
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ اُسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شوہر
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (قرآن) کے پاس نہ رہے

اور صرف نکاح ہی کافی نہیں۔ بلکہ دوسرے شوہر سے مباشرت بھی ضروری ہے۔ حَتّٰى
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ اس کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
میں ایک صحابیہ عورت حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے میرے فلاں شوہر نے
طلاق دے دی۔ تو میں نے فلاں سے نکاح کرلیا۔ مگر میرا یہ دوسرا شوہر ہمارے اس
کپڑے کی طرح لوز نرم یعنی نامرد ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ اس عورت کے منشا کو سمجھے
تھے۔ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے پہلے شوہر کی طرح واپس ہونا چاہتی ہو۔ اس نے عرض
کیا ہاں یا رسول اللہ۔ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا۔ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ
وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ (الحدیث) نہیں تم اپنے پہلے شوہر کی طرف اس وقت تک نہیں
پلٹ سکتی ہو۔ جب تک تم اس شوہر کی لذت کو نہ چکھو اور وہ تمہاری لذت کو نہ چکھ لے
اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا گیا۔ لَا تَحِلُّ لِزَوْجِهَا الْاَوَّلِ حَتّٰى يَذُوْقَ
الْآخِرُ عُسَيْلَتَهَا وَتَذُوْقَ عُسَيْلَتَهٗ یعنی پہلے شوہر کی طرف واپس ہونے کے
لئے دوسرے شوہر سے نکاح ہی کافی نہیں بلکہ ان دونوں کا ایک دوسرے سے لطف صحبت اٹھانا
ضروری ہے

تین طلاقوں کے بعد پہلے شوہر سے پھر واپس نکاح کیلئے اتنی کڑی شرط لگانا
اسلام کا عورتوں پر احسان ہے۔ ایک عاقل و بالغ و باشعور انسان طلاق مغلظہ
دینے سے پہلے سو بار سوچے گا کہ دوں یا نہ دوں کچھ نام نہاد غیرت والے اس
طرح کی بھیانک غلطی کرنے کے بعد کسی للو پنجو کو پکڑ کر اپنی مطلقہ
بیوی سے خفیہ بھیانک نکاح کرکے پھر اسے کچھ دے دلا کر خلوت و صحبت سے پہلے

یہی طلاق دلا دیتے ہیں۔ جو قطعاً درست نہیں ایسا کرنے والے دھوکے باز اور فریب کار ہیں۔ بلا مباشرت وہ شوہر اوّل کی طرف واپس ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کا نکاح درست نہیں ہوگا۔ اور نکاح باطل کی آڑ میں پہلے شوہر کا اس عورت سے صحبت کرنا زنا ئے خالص ہوگا۔ جیسا کہ ہم حلالہ کی تفصیل میں بحث کریں گے۔

پھر جو مطلقہ عورت اپنے کو حلال کرانے کیلئے کرائے کا عارضی و لمحاتی شوہر ڈھونڈے اسے اللہ کے رسول نے مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ اور اس مرد کو کرائے کے سانڈ سے تشبیہ دی ہے۔ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُحِلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَہٗ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ظہور اسلام کے وقت مرد اپنی عورتوں کو بار بار طلاق بار بار رجعت کے نام پر پریشان کئے رہتے تھے۔ انہیں رجعت کی سولی پر لٹکائے رہتے طلاق دی عورت کی عدت جب پوری ہونے لگی اس سے رجعت کرلی۔ رجعت کے بعد وہ نکاح کے اندر واپس آگئی پھر طلاق دے دی۔ چونکہ ایام جاہلیت میں طلاق کے لیئے کوئی عدد و حصر متعین نہیں تھا۔ اس لئے وہ طلاق میں کسی گنتی کے پابند نہیں تھے جس قدر چاہتے طلاق دیتے رہتے۔

ایک عورت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے شوہر کے بار بار طلاق دینے اور بار بار رجوع کرنے کی شکایت کی یعنی طلاق دی جب عدت پوری ہونے لگی۔ رجعت کرلی۔ پھر طلاق دی پھر رجعت کرلی۔ یعنی اسے اس طرح لٹکائے رہتا تھا۔ حضرت عائشہ نے بارگاہ رسالت میں اس کا ذکر عرض کیا اس پر حق جل شانہٗ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ (۲) فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ۔ اور سرکار اقدس کی مشہور ترین حدیث حدیث عسیلہ اس خدائی فرمان کی توضیح و تشریح پر آخری مہر کی حیثیت رکھتی ہے۔ معالم میں عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ ابتداء میں لوگ طلاق دینے میں

کسی گنتی اور عدد کے پابند نہیں تھے۔ یعنی جتنا چاہتے طلاق دیتے رہتے۔ آدمی اپنی عورت کو طلاق دیتا۔ پھر جب عدت کی مدت پوری ہونے لگتی۔ رجعت کر لیتا۔ کچھ دنوں بعد پھر طلاق دیتا۔ عدت کے اختتام سے پہلے پھر رجعت کر لیتا۔ بیوی کو اذیت و ضرر پہنچانے کے ارادے سے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (الطلاق مرتان)
یعنی وہ طلاق جس کے بعد آدمی رجعت کر سکتا ہے۔ صرف دو بار تک ہے پھر اگر تیسری بار طلاق دیدی تو دوسرے شوہر کے پاس رہنے کے بعد ہی وہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ (فتاوی رضویہ جلد پنجم کتاب الطلاق)

طلاق دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے۔ کہ طلاق پاکی کی حالت میں دی جائے یعنی حیض کے بعد جب عورت پاک ہو جائے۔ مراد یہ ہے کہ عورت کی اس حالت میں جسے طہر کہا جاتا ہے۔ بغیر ہمبستری کئے ایک طلاق دے۔ یہ طلاق دینے کا سنت طریقہ ہے۔ لیکن اگر ایک ساتھ تینوں طلاقیں اکھٹی دی جائیں۔ تو تینوں طلاقیں پڑ جائیں گی۔ مگر دینے والا سنت گنہگار ہوگا۔

حضرت محمود بن لبید نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تینوں طلاقیں دی ہیں۔ تو اس پر ناراض ہو کر عالم غضب میں کھڑے ہو گئے۔ اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ابھی میں تمہارے درمیان ظاہری طور پر موجود ہوں۔ (نسائی)

اور آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک یا دو طلاقوں کو طلاق ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ جب تک تین طلاقیں نہ دے دیں۔ انہیں اطمینان نہیں ہوتا۔ اور کچھ نادان جاہل اور کچھ پڑھے لکھے جاہل بھی اس مرض میں بری طرح گرفتار رہیں۔ کہ وہ جب طلاق دینے پر آتے ہیں تو طلاقوں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ پہاڑ کھڑا کر دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ تو ہزار دو ہزار سے کم طلاق دینا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ حضرت امام مالک تک یہ بات پہنچی کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض

کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو سینکڑوں طلاقیں دے دی ہیں۔ اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ تین طلاقوں سے عورت تو تم سے فارغ ہو گئی۔ البتہ ستانوے طلاقوں کے ذریعے تم نے اللہ کی آیتوں سے مذاق کیا ہے۔ (موطا امام مالک کتاب الطلاق)

حضرت امام اعظم رحمہ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینا حرام ہیں۔ اس کے باوجود چاروں آئمہ کرام، فقہائے عظام، مجتہدین اسلام اور تمام علمائے حق اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی نے سنت طریقے کے خلاف بیک وقت تین طلاقیں دیں تو تینوں ہی واقع ہوں گی۔ اور عورت اس مرد کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اب اگر شوہر اول کی طرف رجوع ہونا چاہے تو اسے حلالہ کی ضرورت پڑے گی ۔ اس ظاہر و باہر مسئلے میں اہل حق کے کسی قابل اعتماد عالم فقیہ مجتہد نے اختلاف نہیں کیا۔ ہاں بارھویں صدی میں نجد میں پیدا ہو کر تیرھویں صدی میں ہندوستان میں ظاہر ہونے والے ایک فتنے یعنی وہابیہ غیر مقلدین جو اس زمانے کے سلفی یا اہلحدیث کہلاتے ہیں۔ انہوں نے اس مسئلے میں اہل حق سے اختلاف کیا۔ امت میں ایک نیا انتشار پیدا کیا وہ کہتے ہیں۔ کہ اس طرح کی تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے۔ ان لوگوں کا یہ طرز عمل محض امت مرحومہ میں اختلاف و انتشار اور فتنہ کھڑا کرنا ہے۔

انھوں نے احادیث کریمہ اور ارشادات مصطفویہ کو اپنی خواہشات کا تابع بنا کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی۔ اور اس وقت تو سعودی ریال کے ذریعے اس مسئلہ میں ایک طوفان اٹھائے ہوئے ہیں۔ اخبارات و رسائل جدید کر امنسلاکی ادبی نیم ادبی پرچے رسالے ان مسائل کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے نام نہاد مولوی مفتی عالم تو الگ رہے اپنی قدر و آں قدر روکلیوں اور ڈاکٹروں نے مسند افتاء کو سنبھال لیا ہے۔ سارا زور تین کو ایک ثابت کرنے پر لگائے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح خلق خدا کو گمراہ کر کے مسلمان مردوں اور عورتوں کو زنا کے خالص میں مبتلا کر رہے ہیں۔ کس قدر حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کی اس روشن آیت کو سمجھنے سے وہ معذور ہیں

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۔ خیر اگر یہ قرآن فہمی سے معذور ہیں تو ان وہابیہ غیر مقلدین کو جو اہل حدیث ہونے کے دعویدار ہیں حدیث عسیلہ اور دوسری احادیث نظر کیوں نہیں آتیں۔

① زبیر بن عبدالرحمن بن زبیر سے روایت ہے کہ رسول اکرم ؐ کے مبارک زمانے میں حضرت رفاعہ بن سموال نے اپنی بیوی حضرت تمیمہ بنت وہب کو تین طلاقیں دے دیں تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن زبیر سے نکاح کر لیا وہ اپنی بیوی پر قادر نہ ہو سکے اور اس سے جدا رہے۔ ان حضرت رفاعہ نے بیوی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ جو اس کے پہلے خاوند تھے۔ انہوں نے طلاق دے دی تھی۔ جب اس بات کا رسول اللہ ؐ سے ذکر کیا گیا۔ تو آپ نے انہیں ان کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتے ہوئے کہ وہ تمہارے لیے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے مرد کا مزہ نہ چکھ لے۔ ② قاسم بن محمد سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقوں والی طلاق بتہ دے دی پھر عورت نے دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا وہ دوسرا مرد جماع کرنے سے پہلے فوت ہو گیا۔ کیا پہلے خاوند کو اس عورت سے رجوع کرنا حلال ہے۔ قاسم بن محمد نے فرمایا پہلے خاوند کو اس عورت سے رجوع کرنا حلال نہیں ہے (موطا امام مالک کتاب النکاح) مسلمانو! قرآن و حدیث کے ان روشن بیانات کے پیش نظر گمراہ ہوں غادت گروں فتنہ پردازوں کے دام فریب میں آپ لوگ نہ آئیں خبردار۔ خبردار تین طلاقیں دینے سے عورت مغلظہ ہو جاتی ہے بغیر حلالہ کے وہ شوہر اول سے نکاح ہرگز ہرگز نہیں کر سکتی۔ اور کیوں گمراہ کیا جاتا ہے۔ کہ تین طلاقوں سے بیوی صرف امام اعظم کے نزدیک مغلظہ ہوتی ہے۔ بقیہ آئمہ مجتہدین خاص کر امام شافعی کے نزدیک تین طلاقیں ایک ہی طلاق کا حکم رکھتی ہیں۔ حاشا و کلا۔ ہرگز نہیں۔ ان نفوس قدسیہ بالخصوص حضرت امام شافعی پر یہ افتراء و بہتان عظیم ہے۔ ان آئمہ کرام نے تو یہاں تک فرما دیا ہے۔ کہ اس طرح کے مسئلہ میں اگر قاضی شرع حاکم اسلام ایک طلاق پڑنے کا حکم دے تو اس کا حکم باطل و مردود ہو گا۔ یہ وہابیہ غیر مقلدین کا افتراء

پر دلالت ہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔ ذھب جمہور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من الائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث۔ جمہور صحابہ وتابعین و اتباع تابعین آئمہ مسلمین کا مذہب یہ ہے کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت مغلظہ ہو جاتی ہے۔ جو کہ حلالہ کے بغیر واپس نہیں ہو سکتی۔

(فتاوی رضویہ جلد پنجم کتاب الطلاق)

Abbas

بروز اتوار

19-10-2008
19-10-1429
AM = 8 : 22 : 49

رمضان میں فجر کی اذان سنتے ہوئے کھانا پینا ۔

س ۔ جو آدمی فجر کی اذان سن رہا ہو اور کھانا پینا جاری رکھے ہوئے ہو اس کے روزے کا شرعی حکم کیا ہے۔

ج ۔ طلوع فجر واضح ہو جانے کے بعد مومن کے لئے واجب ہے۔ کہ کھانے پینے اور دوسری روزہ توڑنے والی چیزوں سے رک جائے۔ جبکہ روزہ فرض ہو۔ جیسے رمضان کا روزہ نذر اور کفارے کا روزہ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کھاؤ اور پیو یہاں تک سفید دھاگہ اور کالے دھاگے میں فجر کی وجہ سے فرق پڑ جائے۔ پھر روزے کو رات تک پورا کرو (البقرہ 187) جب اذان کی آواز آئے اور یہ معلوم ہو کہ یہ فجر کی اذان ہے۔ تو کھانے پینے سے رک جانا واجب ہے۔ لیکن مؤذن اگر طلوع فجر سے پہلے اذان دے دے۔ تو رکنا واجب نہیں ہے۔ بلکہ فجر واضح ہونے تک کھانا اور پینا جائز ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو سکے۔ کہ مؤذن نے فجر سے پہلے اذان دی ہے۔ یا فجر کے بعد تو بہتر اور احتیاط کا طریقہ یہ ہے۔ کہ اذان سننے کے بعد کھانا پینا چھوڑ دے۔ لیکن اذان کے دوران اگر کچھ کھا لیا تو اس سے کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اسے طلوع فجر کا علم نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے۔ کہ جو شخص بجلی سے منور شہر میں رہتا ہے۔ وہ طلوع فجر کے وقت اس کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اس لئے احتیاطاً اذان اور ان کیلنڈروں پر ہی عمل کرلے جو گھنٹے اور منٹ کے ساتھ طلوع فجر کی تحدید کرتے ہیں۔ اس حدیث کے پیش نظر جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شک والی چیزوں کو چھوڑ دو۔ اور جس میں شک نہ ہو۔ اسے اختیار کرو۔ اور دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا۔ جو آدمی شبے والی چیزوں سے بچ گیا۔ اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا۔"

ہفت روزہ غزوہ ص ۲ ۹ تا ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۶ ھ

اولاد کے حقوق = والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں۔

ج = اولاد کی تعلیم و تربیت۔ انہیں اسلامی آداب و اخلاق سے آراستہ کرنا۔ انہیں قرآن حکیم کی تعلیم دینا۔ ارکان اسلام سے ان کو اچھی طرح آگاہ کرنا۔ نماز روزے کے متعلق ان کو ہدایت کرنا۔ سات برس کی عمر ہو جانے پر بچوں کو اپنے ساتھ مسجد میں لے کر جانا اور انہیں نماز سکھانا۔ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت سے پیش آنے کی تلقین کرنا۔ ان کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کرنا۔ انہیں جھوٹ بولنے سے بچنے اور ہر صورت میں سچ بولنے کی ہدایت کرنا۔ لب و لہجے میں نرمی اور شیریں بیان خود بھی پیدا کرنا۔ اور ان کو بھی اس بات کی تعلیم دینا۔ ان کی دینی اور دنیاوی تعلیم کا بندوبست کرنا۔ پڑھ لکھ کر فارغ ہو جانے پر ان کی شادی کر دینا۔ انہیں رزق حلال اور رزق حرام کا فرق بتانا اور اس پر عمل کرانا۔ ان کے اندر صبر و تحمل اور برداشت پیدا کرنا۔ اور انہیں قناعت کا سبق سکھانا۔ حرص و ہوس سے ان کو بچانا۔ کھانے میں بھی حلال کے اہتمام کی تلقین کرنا۔ اور خرچ کرنے کے معاملے میں بھی ان کو اسراف و تبذیر سے بچنے کی ہدایت کرنا۔ اللہ رب العزت اور اس کے رسول کے احکام اور تعلیم سے ان کو پورے طریقے سے واقف کرانا۔ اور ان پر عمل کرنے کی ہدایت کرنا۔ کہ اپنی پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات اور ہدایات کی روشنی میں بسر کی جائے۔ یہ سب اولاد کے حقوق ہیں۔ اور مسلمان والدین کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنی اولاد کے اندر حقوق و فرائض کا شعور بیدار کرنا۔ اور انہیں اچھا اور سچا مسلمان بنائیں۔ ان کے سامنے اپنا عملی نمونہ پیش کریں۔ (صفحہ ۵ اخبار جہاں 7 تا 13 فروری 2005)

روزے کی نیت کیسے کریں

(مبشر احمد ربانی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا روزہ نہیں ہے چونکہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور نیت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ مثلاً روزہ کی نیت نہ کی گئی۔ اور روزہ جیسی پابندیاں اپنے اوپر عائد کریں۔ تو روزہ نہ ہوگا۔ بلکہ فاقہ ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ نیت کیلئے زبان سے تلفظ کی ضرورت نہیں۔ یہ دل کا فعل ہے۔ بعض حضرات نے روزے کی نیت کے یہ الفاظ وضع کیئے ہیں۔

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ = میں نے ماہ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔ یہ الفاظ کسی حدیث سے ثابت نہیں اور نیت بھی کل آنے والے دن کی کر رہا ہے علامہ ابن منظور رقمطراز ہیں۔ غد کا اصل یہ ہے کہ وہ دن جو شب آج کے دن کے بعد ہوگا (لسان العرب 10/26) لہذا یہ الفاظ معنوی طور پر بھی درست معلوم نہیں ہوتے زبان سے پکار کر روزہ کی نیت کرنا۔ ہر سال رمضان المبارک کے آنے سے قبل ہی افطاری وسحری کے اوقات کے تجارتی کیلنڈر شائع ہو کر تقسیم ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جن پر اوقات نامہ اور روزہ رکھنے کی نیت وبصوم غد نویت من شہر رمضان۔ کے الفاظ بھی عموماً دیکھے گئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ میں نے کل کے رمضان کے روزے کی نیت کی = جہاں تک نیت کا تعلق ہے۔ تو تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور نیت کے بغیر کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً اگر نماز کی نیت کی طرح روزہ کی نیت نہ کی گئی۔ اور روزہ جیسی پابندیاں اپنے اوپر عائد کرلیں۔ اور اس کے لوازمات کو بھی ادا کرنے میں سارا دن کوئی کوتاہی نہ کی۔ تو پھر بھی روزہ نہ ہوا۔ بلکہ فاقہ ہوگا۔ جس کا اس کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ایک حدیث میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے فجر سے پہلے روزے کی نیت نہ کی اس کا کوئی روزہ نہیں ہے۔ (ابو داؤد) = تمام عبادات میں نیت ضروری ہے۔ چاہے نماز ہو زکوٰۃ ہو یا روزہ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ (بخاری)

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اعمال کی دو اقسام ہیں۔ (1) وہ اعمال جو اصل مقصد

کیلئے تو نہیں لیکن اصل مقصد تک پہنچنے کا ذریعہ ہوں۔ جیسے وضو اور غسل ان کی نیت اگر
نہ بھی کی جائے تو درست ہوگا۔ آخر الذکر مسئلہ کا حکم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی
رائے اور قیاس تک محدود ہے۔ شرعی دلائل میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور نہ کوئی
دلیل اس مسئلہ کی مؤید ہے۔ کیونکہ (انما الاعمال بالنیات) کے الفاظ مطلق اعمال پر
دلالت کر رہے ہیں۔ اس سے کوئی عبادت بھی (چاہے وہ بالواسطہ ہو یا بذات خود عبادت)
مستثنیٰ نہیں ہے۔ روزے میں نیت احناف کے ہاں بھی ضروری ہے۔ مگر مروجہ نیت من
گھڑت اور خود ایجاد کردہ ہے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے۔ وہ
یہ ہے۔ کہ نیت زبان سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا محل دل ہے۔ دل سے نیت ضروری ہے۔
لیکن اگر یہ الفاظ زبان سے ادا کر بھی لئے جائیں۔ تو نیت۔ نیت نہیں رہتی بلکہ کلام بن جاتی
ہے۔ جس کا جواز کہیں موجود نہیں ہے۔ جملہ عبادات مثلاً طہارت نماز روزہ۔ حج
اور زکوٰۃ وغیرہ میں بالاتفاق نیت کی جگہ دل ہے زبان نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ
علیہ فرماتے ہیں۔ شریعت نے نیت کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی کام کے ارادے کیلئے
خاص کیا ہے۔ (فتح الباری) معلوم ہوا۔ کہ اعمال میں اعتبار قلبی نیت کا ہوگا۔ اگر
اس کے خلاف زبان سے کچھ ہے۔ تو اعتبار محض لفظوں کا نہیں ہوگا۔ اگر محض زبان سے نیت کرے
مگر دل میں نہ ہو تو بالاتفاق یہ نا جائز ہے۔ کیونکہ نیت تو قصد و عزم کا نام ہے۔ لہٰذا روزہ دار اور
نمازی روزہ رکھنے اور نماز شروع کرنے سے پہلے الفاظ کے ساتھ نیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ لفظی
نیتیں بدعت اور من گھڑت ہیں۔ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر گھڑی ہوئی
چیز بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے (نسائی)
نماز اور روزہ دونوں ہی اہم ترین عبادتیں ہیں۔ لیکن اگر ان کو بھی بدعات سے نہ بچایا گیا اور
اہل بدعت کے طریقے کو ناکام نہ بنایا گیا۔ تو پھر ہماری کوئی عبادت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہ ہوگی
لہٰذا روزے سے پہلے بول کر نیت کرنے کی کوئی وقعت نہیں۔ صرف دل ہی میں پختہ ارادہ کے ساتھ روزے کی
نیت کر لینا قابل قبول ہوگا۔

ہفت روزہ عزیزہ ص ۲ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

روزہ رکھنے کی طاقت اور غذا نہ ہو تو ؟

س = ایک آدمی بیماری کی حالت میں روزہ نہیں رکھ سکتا ۔ اور نہ ہی اس میں اتنی مالی سکت ہے ۔ کہ دوسرے شخص کو روزہ رکھوا اور کھلوا سکے ۔ چونکہ وہ خود دوسروں کی کفالت میں ہے ۔ اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے ۔

ج = اگر کوئی شخص حالت بیماری میں روزہ رکھنے کی سکت نہیں رکھتا ۔ اور نہ ہی اس کی اتنی مالی حالت اچھی ہے ۔ کہ وہ فدیہ دے سکے ۔ تو وہ آدمی اس مسئلہ میں مکلف نہیں ہے ۔ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ۔ اللہ کسی جان کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا ۔ اور ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے ۔ کہ دوسرا مسلمان جو اس کے لئے گزران کا انتظام کرتے ہیں ۔ وہ اس کی جانب سے فدیہ ادا کریں ۔ اس پر انہیں بھی اجر و ثواب ملے گا ۔ اور اس کی طرف سے فدیہ بھی ادا ہو جائیگا ۔ حدیث میں ہے ۔ ایک آدمی نے بیوی سے روزہ کی حالت میں صحبت کر لی ۔ —— = بہر کیف اگر کوئی دوسرا آدمی بھی فدیہ ادا کرے ۔ تو ادائیگی ہو جائے گی اسلئے وہ خود معذور ہے ۔ واللہ اعلم ——

ہفت روزہ نمبر ۵ ۴ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

—۵—

کراہت کے وقت جنازہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ تین چیزوں میں دیر نہ کرو۔
۱۔ نماز جب آجائے اور جنازہ جب تیار ہو جائے اور لڑکی جب اس کا ہم قوم مل جائے۔ مشکوٰۃ
بحوالہ ترمذی باب التعجیل الصلوٰۃ الفصل الثانی۔ اس حدیث کی شرح مرآۃ المناجیح میں
حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر وقت مکروہ میں جنازہ
آئے تب بھی اس پر نماز پڑھ لی جائے۔ یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ جنازہ
پہلے تیار ہو۔ مگر نماز وقت مکروہ میں پڑھی جائے۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور
نے سورج نکلتے ڈوبتے اور دوپہری کے درمیان میں نماز جنازہ سے منع فرمایا۔ مرآۃ جلد ا ص ۳۸۶
(۲) باب اوقات النہی کی الفصل الاول کی حدیث مشکوٰۃ جو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور مردے کو دفن کرنے سے منع فرمایا۔ جب
سورج طلوع ہو رہا ہو۔ حتی کہ بلند ہو جائے۔ اور جب ٹھیک دوپہری قائم ہو۔ یہاں تک کہ سورج
ڈھل جائے اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہو جائے حتی کہ ڈوب جائے۔ اس حدیث کی شرح
میں صاحب مرآۃ المناجیح فرماتے ہیں۔ کہ تمام علماء کے نزدیک یہاں دفن سے مراد نماز جنازہ ہے۔
کیونکہ ان وقتوں میں دفن کرنے کوئی منع نہیں کرتا۔ اور ان اوقات میں نماز جنازہ بھی جب ہی
مکروہ ہوگی جبکہ جنازہ پہلے سے تیار ہو۔ اور نماز میں دیر کی جائے۔ لیکن اگر جنازہ آیا ہی اس
وقت ہے۔ تو پڑھ لے۔ مرآۃ المناجیح ص ۱۵۸ جلد دوم مکتبہ نعیمی کتب خانہ گجرات)
اور صاحب نور الایضاح فرماتے ہیں۔ وَ یَصِحُّ اَدَاءُ مَا وَجَبَ فِیْھَا مَعَ الْکَرَاھَۃِ۔ کَجَنَازَۃٍ
حَضَرَتْ جو کچھ ان اوقات میں واجب ہوا کراہت کے ساتھ تو اس کا ادا کرنا صحیح ہے۔ جیسے
جنازہ جو حاضر ہوا۔ نور الایضاح ص ۵۱ رسالہ رکن الدین میں حضرت مولانا رکن الدین صاحب رح
فرماتے ہیں۔ اگر سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ ان وقتوں میں واجب ہوئے تو جائز ہے۔ سجدہ تلاوت
کی گو اس میں اجازت ہے۔ مگر تاخیر افضل ہے۔ اور جنازہ کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے۔ رکن الدین
ص ۴۶ اور قدوری کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ کہ ان صلوٰۃ الجنازۃ تجوز مع الکراھۃ کہ
نماز جنازہ کراہت کے ساتھ تو جائز ہے۔ ص ۳۵ باب الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ

اور صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔ کہ شدید ضرورت ہو تو طلوع شمس اور دوپہر کے وقت اور غروب کے وقت نماز جنازہ بلا کراہت پڑھا جا سکتا ہے۔ ص ۳۱ جلد ۱۱ صاحب شرح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ ان اوقات میں بلا کراہت جائز ہے۔ ص ۶۱۱ جلد ۲ جنازہ اگر اوقات ممنوعہ میں لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں۔ کراہت اس صورت میں ہے کہ پہلے سے تیار موجود ہو۔ اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آگیا۔ بہار شریعت ص ۱۴ جلد ۱ حصہ سوم ص ۱۴ اس تمام مذکورہ عبارت میں فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ تو یہ حکم زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے۔ نا کہ مکروہ تحریمی اور مکروہ تنزیہی کے متعلق صاحب تفسیر تبیان القرآن مولانا غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں۔ کہ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب مطلقاً گناہ نہیں ہے۔ نہ ہی کبیرہ اور نہ ہی صغیرہ اور جس طرح مستحب کے ترک پر ملامت نہیں کی جا سکتی اسی طرح مکروہ تنزیہی کے ارتکاب پر بھی ملامت نہیں کی جاتی علامہ شامی نے لکھا ہے۔ کہ مستحب کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ رد المختار جلد ۱ ص ۲۲۳ نیز لکھا کہ مستحب کے فعل پر ثواب ہوتا ہے لہذا اس کے ترک پر ملامت نہیں کی جاتی رد المختار ص ۲۲۱ جلد ۱۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ مکروہ تنزیہی کا گناہ ہوتا تو درکنار اس کے ارتکاب پر ملامت بھی نہیں جاتی (تبیان القرآن ص ۹۴۸ جلد ۳) بورے والا کے امام مفتی عتیق الرحمان صاحب احیاء العلوم کے مہتمم ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں۔ کہ میت کی تجہیز و تکفین میں جلدی کا حکم ہے۔ اوقات مکروہ میں سجدہ کرنا منع ہے۔ نماز جنازہ میں دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ وقت مکروہ سے بچا جائے تو بہتر ہے۔ (عتیق الرحمان بورے والا)

معلوم ہوا کہ اگر وقت مکروہ سے بچا جائے تو ثواب ہے نہ بچا جائے تو گناہ نہیں ہے۔

(۳) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مسلک کے مطابق عقبہ بن عامر کی حدیث جس کو امام ابو داؤد، مشکوٰۃ، ترمذی، امام مسلم نے بیان فرمایا ہے۔ زوال کے وقت کوئی نماز نہیں پڑھنا چاہیے۔ اور باقی آئمہ ثلاثہ امام مالک، امام احمد، امام شافعی کے مطابق اوقات مکروہ میں صرف فرض ادا کرنا منع ہے۔ نوافل اور قضا نمازیں پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ کے متعلق امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ نماز جمعہ کیلئے شہر ہونا

شرط ہے۔ اور گاؤں میں قصبہ میں جمعہ نہیں ہوتا۔ اور باقی آئمہ ثلاثہ کے نزدیک شہر ہونا شرط نہیں
ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے فقہ کی تمام کتابیں۔ پڑھیں تو جب چک میں گاؤں میں جمعہ نہیں
ہوتا امام اعظم کے مسلک میں تو تمام پاکستان میں گاؤں میں جمعہ پڑھا جا رہا ہے۔ اور علماء
فقہاء فرماتے ہیں کہ مسجد میں اذان پڑھنا مکروہ ہے خارج مسجد پڑھنی چاہیئے۔ تو جب
مسجدوں میں اذانیں ہو رہی ہیں۔ تو اسی طرح نماز جنازہ اوقات ثلاثہ میں پڑھیں تو جنازہ
ہو جائے گا۔ مگر کراہت کے ساتھ اگر جنازہ کراہت کے اوقات میں لایا گیا تو اسی وقت
پڑھیں تو کراہت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جنازہ کی نماز کے لئے دیر کرنا مکروہ ہے اس لئے جلدی
کا حکم ہے

قاری محمد عباس نظامی

چک 169 ای بی

بورے والا

۲۸-۷-۲۰۰۹ منگل

۵-۸-۱۴۳۰

س ۔ کیا نفل نمازیں اور سنتیں وغیرہ گھر میں پڑھنی افضل ہیں یا مسجد میں اس کے متعلق علمائے اسلام کا کیا حکم ہے ۔

ج ۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز فرض اور گھروں میں نماز نفل پڑھنا افضل ہے ۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ میری مسجد نبوی میں وہ ثواب نہیں ہے ۔ جو گھر میں نماز نفل پڑھنے کا ثواب ہے ۔ اس کے دلائل موجود ہیں ۔

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۳۵۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۔

(۲) نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری جلد ۲ ص ۶۲۹ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور

(۳) نزہۃ المناجیح جلد ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات

(۴) شرح صحیح مسلم جلد ثانی ص ۳۵۱ مطبوعہ فرید بکسٹال لاہور

(۵) فضائل ومسائل نماز از قاری غلام حسین قادری ص ۴۷۶ نوریہ رضویہ لاہور

(۶)

۸۶

کراہت کے وقت نمازِ جنازہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تین چیزوں میں دیر نہ کرو۔ نماز جب آ جائے۔ جنازہ جب تیار ہو جائے اور لڑکی جب اس کا ہم قوم مل جائے۔ ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ شریف باب التعجیل الصلوٰۃ الفصل الثانی۔
اس حدیث کی شرح مرآۃ المناجیح میں حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی صاحب رح نے فرمائی ہے۔ کہ اگر وقت مکروہ میں جنازہ آئے تب بھی اس پر نماز پڑھ لی جائے یہی حنفیوں کا مذہب ہے۔ ممنوع یہ ہے کہ جنازہ پہلے تیار ہو مگر نماز وقت مکروہ میں پڑھی جائے۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلتے، ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کا میں نماز جنازہ سے منع فرمایا مرآۃ جلد ا ص ۳۸۶

اور باب اوقات النہی کی الفصل اوّل کی حدیث مشکوٰۃ جو عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تین وقتوں میں نماز پڑھنے اور مردے کو دفن کرنے سے منع فرماتے تھے۔ جب سورج ظاہر ظہور طلوع ہو رہا ہو۔ حتیٰ کہ بلند ہو جائے۔ اور جب ٹھیک دوپہری قائم ہو۔ یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہو جائے حتیٰ کہ ڈوب جائے۔ اس حدیث کی شرح میں صاحب مرآۃ فرماتے ہیں۔ کہ تمام علماء کے نزدیک یہاں دفن سے مراد نماز جنازہ ہے۔ کیونکہ ان وقتوں میں دفن کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا۔ اور ان اوقات میں نماز جنازہ بھی جب ہی مکروہ ہوگی۔ جبکہ جنازہ پہلے سے تیار ہو۔ اور نماز میں دیر کی جائے۔ لیکن اگر جنازہ آیا ہی اس وقت ہے۔ تو پڑھ لے۔ مرآۃ جلد دوم ص ۱۵۸ مکتبہ نعیمیہ کتب خانہ گجرات۔
وَيَصِحُّ أَدَاءُهُمَا وَجَبَ فِيهَا مَعَ الْكَرَاهَةِ كَجَنَازَةٍ حَضَرَتْ۔ جو کچھ ان اوقات میں واجب ہو کراہت کے ساتھ اس کا ادا کرنا صحیح ہے۔ جیسے جنازہ جو حاضر ہوا۔
نور الایضاح ص ۵۱ رسالہ رکن الدین میں حضرت مولانا رکن الدین صاحب فرماتے ہیں۔
اگر سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ اس وقتوں میں واجب ہو تو جائز ہے۔ سجدہ تلاوت کی

گو اس میں اجازت ہے مگر افضل تاخیر ہے۔ اور جنازہ کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے۔
کبیری بحوالہ رکن الدین ص ۴۶ اور قدوری کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ کہ ان صلوٰۃ
الجنازۃ تجوز مع الکراھۃ۔ کہ نماز جنازہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ ص ۵۴ باب
الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ۔ اور صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔ کہ شدید ضرورت
ہو تو طلوع شمس اور دوپہر کے وقت اور غروب کے وقت نماز جنازہ بلا کراہت پڑھی
جا سکتی ہے۔ ص ۳۱ جلد ۱۱ روح البیان ـــــــ صاحب شرح مسلم علامہ غلام
رسول سعیدی فرماتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ ان اوقات میں بلا کراہت جائز ہے ص ۴۱۱ ج ۲
جنازہ اگر اوقات ممنوعہ میں لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں۔ کراہت اس وقت
صورت میں ہے۔ کہ پہلے سے تیار موجود ہو۔ اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آ گیا۔ بہار
شریعت ص ۱۴ حصہ سوم جلد ۱ ـ ۱
علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری جلد دوم ص ۴۲۱ پر
لکھتے ہیں کہ فجر اور عصر کے بعد نماز قضا پڑھنا سجدہ تلاوت کرنا اور نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے ـ
مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور مولانا غلام حسن قادری نے اپنی کتاب فضائل و مسائل نماز
کے صفحہ ص ۲۰۳ پر فتاویٰ عالمگیری کے حوالہ سے لکھا ہے۔ اوقات مکروہ میں اگر سجدہ تلاوت
فرض ہوا یا جنازہ انہی اوقات میں آیا نہ کہ پہلے سے رکھا ہوا ہو۔ اور مکروہ وقت آ جائے یا
سجدہ پہلے سے واجب ہوا۔ اور اس وقت ادا کرنا چاہتا ہے تو ان کی ادائیگی جائز ہے ـ

(س) چمڑے کی جیکٹ، بیلٹ اور موزے وغیرہ پہن کر نماز کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جو جیکٹ ہم نے پہن رکھی ہے۔ یہ حلال جانور کی ہے۔ یا حرام جانور کی۔ از روئے شریعت اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

(ج) (خنزیر) نجس اور ناپاک ہونے کے باعث اور (انسان) لائق تکریم ہونے کے باعث ان کے چمڑے کے علاوہ تمام جانوروں کی کھال رنگنے کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر یقین ہو کہ یہ جیکٹ اور بیلٹ خنزیر اور انسان کی کھال کے نہیں ہیں۔ تو انہیں پہن کر نماز ہو جاتی ہے۔

۱۲ — ۳ — ۲۰۱۵
۲۱ — ۵ — ۱۴۳۶
۹ — ۳۰ — ۸ pm
جمعرات

بغیر اذان کے جماعت ہو تو

(۱) تفہیم المسائل جلد ۵ ص ۸۰

(۲) فتاوی امجدیہ جلد ۱ ص ۸۳

کتاب العقیقہ

بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۲۰۵ ۔ سلمان بن عامر ۔ لڑکے کی طرف سے خون بہاؤ ۔ اذیت کو ہٹاؤ ۔

سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۰۷ حدیث نمبر ۱۰۶۶ " ......

جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۷۵۴ حدیث نمبر ۱۵۵۷ " " ......

نسائی جلد ۳ صفحہ ۱۵۵ حدیث نمبر ۴۲۲۰ " " ......

ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ حدیث نمبر ۹۵۰ " " ......

مرآۃ جلد ۶ صفحہ ۲ " " " ......

عقیقہ

(۱) نعمۃ الباری شرح بخاری جلد ۱۱ ص ۳۵۱ تا ص ۳۶۷

(۲) سنن ابی داؤد جلد دوم ص ۳۶

(۳) جامع ترمذی جلد ۱ ص ۷۵۳

(۴) نسائی جلد ۳ ص ۱۵۵

(۵) ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۷۳

(۶) فتاوی نوریہ جلد ۳ ص ۳۹۷

(۷) فتاوی فیض الرسول جلد ۲ ص ۴۶۳

(۸) بہار شریعت حصہ ۱۵ ص ۶۷۳

(۹) فتاوی امجدیہ جلد ۲ ص ۳۰۲

(۱۰) فتاوی فقیہ ملت جلد ۲ ص ۲۵۶

(۱۱) تفہیم المسائل جلد ۶ ص ۲۵۷

افطاری کے بعد دعا

(۱) فضائل و مسائل صیام رمضان از علامہ احسن قاسمی ص ۱۲۲
(۲) فیضان سنت ص ۱۱۵
(۳) نور الحبیب ستمبر 2006 ص ۴۸
(۴) تفہیم المسائل جلد ۲ ص ۱۸۸
(۵) جرأت جلد دوم سلسلہ 36 ۱۸ رمضان 1432 20 اگست 2011
(۶) فتاویٰ فقیہ ملت جلد ا ص ۳۴۴
(۷) فتاویٰ فیض الرسول جلد ا ص ۵۱۶
(۸) سنی فضائل اعمال عالم فقری ص ۲۳۲
(۹) فیضان سنت احکام روزہ ص ۱۷۷
(۱۰) خطبات رمضان المبارک از منور حسین حیدری ص ۷۵
(۱۱) الاتمام فی فضل الصیام والقیام از طاہر القادری ص ۷۵
(۱۲) ابو داؤد سنن کتاب الصوم ص ۳۰۶ جلد ۲ ابن ابی شیبہ عن ابی ہریرہ
(13) المصنف ص ۳۴۴ جلد ۲
(۱۴) طبرانی فی المعجم الکبیر ص ۱۴۶ جلد ۱۲
(۱۵) ابن المبارک فی الزوائد ص ۴۹۵ جلد ۱
(۱۶) سنن ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۲۹
(۱۷) کتاب الصیام از محمد اشان کیلانی الریاض ص ۳۱ تفہیم السنہ 9